سرورق کے رنگ

پہلا رنگ

غلط راستہ

کاشف زبیر

تفریح کی غرض سے ایک پُر فضا مقام پر آنے والے کچھ لوگوں کا ماجرا۔ وہ اس بات سے قطعی لاعلم تھے کہ اس جگہ انہیں پُر خطر حالات سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ انسانوں کے درمیان گھس آنے والے چند شیطانوں کی لرزہ خیز کارروائیاں۔ انہیں پولیس سے محفوظ رہنے کے لیے پناہ کی ضرورت تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے کی جان لینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔

زندگی اور موت کی کشمکش کے دوران میں پروان چڑھنے والی معصوم محبت کی داستان لہو رنگ

''پاپا اس بار بھی ہم چلیں گے۔'' شنا نے ٹھنک کر کہا۔

وہ سولہ برس کی ہو رہی تھی۔ اس کی اٹھان بھی اچھی تھی اور چہرے کے معصومانہ نقوش کے ساتھ وہ ہر ایک کی نگاہ کا مرکز بن جاتی تھی مگر ابھی تک بچی ہی تھی۔ مقصود نے اپنی لاڈلی بیٹی کو پیار سے دیکھا۔

''بیٹا، اس بار میری مصروفیات زیادہ ہیں لیکن میں کوشش کروں گا۔''

''بس دس بارہ دن کے لیے پاپا۔'' رمیض اور فیض نے بھی التجا کی۔ وہ ثانیہ سے ایک برس چھوٹے اور جڑواں تھے۔ شاید اسی وجہ سے ان کی صورت اور عادات آپس میں ملتی تھیں۔

''بچے کہہ رہے ہیں تو مان جائیں نا۔'' مسز مقصود نے بھی ناز بھرے انداز میں کہا تو مقصود کو ہتھیار ڈالتے ہی بنی۔

''اچھا آج میں دفتر میں بات کروں گا۔''

اس نے بریف کیس اٹھایا۔ بچوں کو خدا حافظ کہا اور باہر نکل گیا۔ مسز مقصود اسے باہر تک چھوڑنے گئی تھی۔

مقصود ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ دس سالوں میں اس نے خاصی تیز رفتاری سے ترقی کی تھی اور ایڈمن آفیسر سے اب وہ کمپنی کے ڈائریکٹرز میں شامل ہو گیا تھا۔ کمپنی کی طرف سے اسے خوب صورت علاقے میں بنگلا ملا تھا اور شاندار سی گاڑی ملی تھی۔ چار پانچ سال تو اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ بچے کیسے پرورش پا رہے ہیں اور ثمینہ اکیلے کس طرح گھر چلا رہی ہے۔ وہ صبح جاتا تو رات گئے واپس آتا۔ اکثر اتوار کے دن بھی اسے آفس جانا پڑتا تھا جب اس نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تو اسے پہلی بار بیوی بچوں کا خیال آیا۔ اس نے سابقہ برسوں کی تلافی کے طور پر ان پر بھرپور توجہ دی۔ انہیں ہفتہ وار تعطیل کے لیے لے جاتا تھا اور اکثر گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ بچوں کو کسی تفریحی مقام پر لے جاتا تھا۔ پچھلے سال سے یہ روایت بن گئی تھی۔ اس بار بھی بچوں نے امتحان دیے اور نئے تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہی تفریح کے لیے ضد کرنے لگے تھے۔ اس بار اس کی مصروفیات ذرا زیادہ تھیں اور امکان کم ہی تھا کہ وہ جا پائیں لیکن جب سب نے مل کر ضد کی تو اسے ماننے ہی بنی۔

''کوئی ڈراما کرنا پڑے گا۔'' اس نے کار میں بیٹھنے سے پہلے بیوی سے کہا تھا۔

☆☆☆

مسٹر اور مسز کرمانی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک جیسی بُری سی صورت بنائی۔ دونوں پچھلے پچیس برس سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے تھے اور بقول ان کے ایک دوسرے کو برداشت کرتے آ رہے تھے۔ دونوں بے پناہ موٹے تھے۔ مسٹر کرمانی کا وزن دو سو بیس پاؤنڈ تھا اور مسز کرمانی کا دو سو سولہ پاؤنڈز مگر قد میں تین انچ کے فرق کی وجہ سے یکساں موٹے نظر آتے تھے۔ کرمانی نفیس سرکاری افسر تھے اور اپنے سرکاری بنگلے

میں مسز کرمانی کے ساتھ پُرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ بقول کرمانی صاحب کہ ان کی خوش گوار ازدواجی زندگی کا راز ہی یہ تھا کہ دونوں میاں بیوی الگ الگ کمروں میں سوتے تھے کرمانی صاحب کے خراٹے بیگم کرمانی سے برداشت نہیں ہوتے مگر اولاد نہ ہونے میں ان الگ بیڈ رومز کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ یہ سراسر قدرت کی طرف سے تھا۔ وہ دونوں ہی مکمل طور پر فٹ تھے۔ جب شادی کے دس برس تک کوئی اولاد نہ ہوئی تو مسز کرمانی نے مارے غم کے پھولنا شروع کر دیا اور انہیں دُبلا ہونے کی تلقین کرتے کرتے مسٹر کرمانی بھی خاصے وزنی ہو گئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ فرصت کے اکثر اوقات مسز کرمانی کے کچن میں گزارا کرتے تھے اور ان کے ہاتھ میں لذت آتی چلی گئی۔ لہٰذا میاں بیوی کے کھانے کی مقدار اور رفتار بھی بڑھتی چلی گئی۔

شادی کے پچیس سال مکمل ہونے پر انہوں نے شہر سے باہر وقت گزارنے کا فیصلہ کیا ورنہ ان کے دوست احباب شادی کی سلور جوبلی کے بہانے انہیں بور کرنے آ جاتے۔ مسز کرمانی نے شوہر سے کہا ''کان کھول کر سن لو میں جھوٹ بولتے بولتے تنگ آ گئی ہوں۔ اب مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا بہتر ہوگا کہ سالگرہ والے دن ہم گھر پر ہی نہ ہوں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' کرمانی صاحب آرام کرسی پر جھولتے ہوئے بولے ''کیا خیال ہے اس بہانے کہیں گھومنے چلیں؟''

''پہاڑوں پر چلتے ہیں۔ تمہارا وزن بھی کم ہو جائے گا۔''

''اپنے وزن کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' کرمانی صاحب مزے سے بولے ''پہاڑ بل جائیں گے۔''

خاصی بحث کے بعد طے پایا کہ وہ اپنی ستر کے ماڈل کی فوکسی میں جائیں گے۔ باقی رہنے اور گھومنے پھرنے کا فیصلہ وہیں جا کر کریں گے۔ ان کی شادی پہلی جون کو ہوئی تھی۔ کرمانی صاحب ہمیشہ کہا کرتے تھے۔ اس روز گرمی بہت تھی اور وہ درست فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھے۔ مسز کرمانی جواب دیا کرتیں کہ گرمی کو کیوں الزام دیتے ہو تم میں کبھی درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت تھی ہی نہیں۔

☆☆☆

عادل نے پاؤں سے پکڑ کر بابر کو بستر سے نیچے گھسیٹ

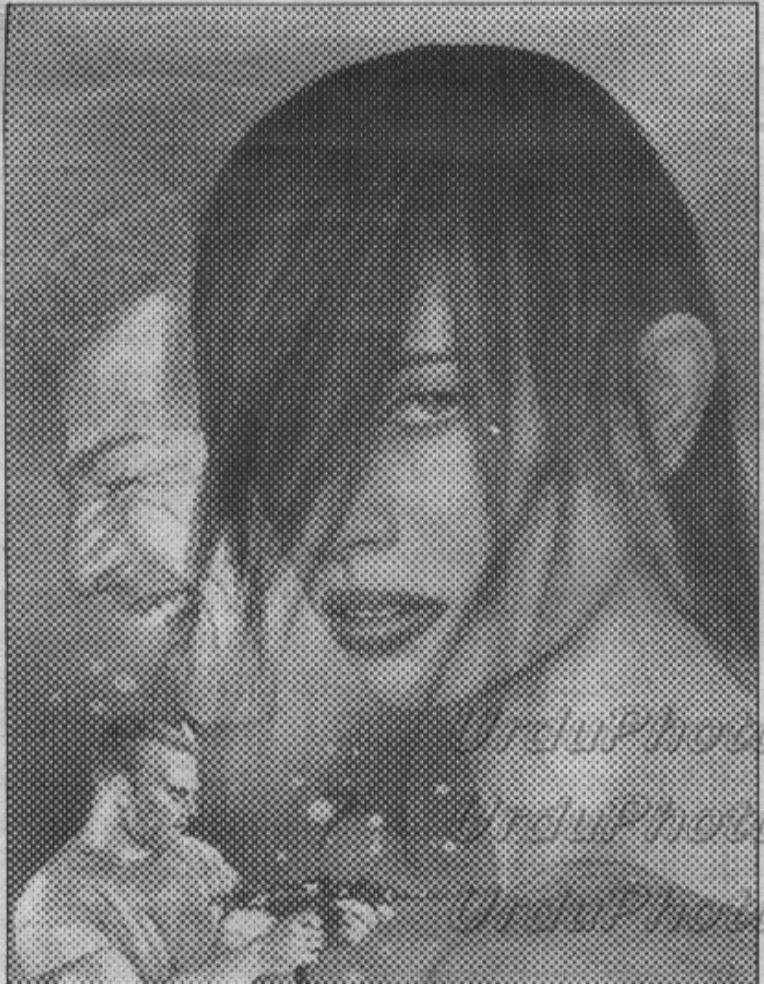

لیا۔ اس نے جھلا کر کمبل سے سر نکالا ''کیا مصیبت آ گئی؟''

''برادر جب ہوٹل والے دھکے دے کر نکالیں گے تو جاؤ گے۔ آج ہماری بکنگ کا آخری دن ہے اور جیب میں چند ہی نوٹ رہ گئے ہیں۔ اب واپسی کی فکر کرو۔''

''یار سونے دے۔'' بابر نے دوبارہ بستر پر لیٹنا چاہا مگر اس بار عادل نے کمبل ہی کھینچ لیا۔

''بارہ بجنے میں آدھا گھنٹا باقی ہے۔ اس سے ایک منٹ بھی اوپر ہو گیا تو پورے دن کا کرایہ چارج ہو جائے گا۔''

بادلِ ناخواستہ بابر نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ جینز اس نے بارہ دن سے پہن رکھی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ گھر جا کر ہی اتارے گا۔ البتہ تیسرے چوتھے دن وہ قمیص بدل لیا کرتا تھا۔ آج بھی اس نے ایک صاف قمیص نکالی۔ سامان بیگ میں باندھ کر انہوں نے نیچے جا کر ناشتا کیا۔ آج ان کی بکنگ کا آخری دن تھا۔ گاڑی کی ٹینکی انہوں نے رات ہی پائپ کی مدد سے بھری تھی۔ بابر ٹینکی کی کیپ کے تالے کھولنے کا ماہر تھا۔ ہر گاڑی میں سے تھوڑا تھوڑا پیٹرول نکال کر انہوں نے اپنی پرانے ماڈل کی اس شیورلیٹ کی ٹینکی بھر لی تھی۔ گاڑی عادل کے دادا جان کی تھی اور وہ اسے لے کر خاموشی سے شمالی علاقے کے ٹور پر نکلے تھے۔ عادل یونیورسٹی میں ایم بی اے کے پہلے سال میں تھا اور بابر صاحب انجینئر بننے جا رہے تھے مگر ان کے گھر والوں کی متفقہ رائے تھی کہ وہ صرف اعلیٰ درجے کے لفنگے بن سکتے تھے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ دونوں میں سب سے مشترک چیز آوارہ گردی کا شوق تھا۔

اس بار انہوں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں شمالی علاقے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ بدقسمتی سے ان کے فیصلے سے کسی کو اتفاق نہیں تھا۔ دونوں کے گھر والے چاہتے تھے وہ ان چھٹیوں میں شریف بچوں کی طرح گھر پر رہیں مگر انہیں اس پروگرام سے اتفاق نہیں تھا لہٰذا انہیں نمبر دو طریقے سے جانا پڑا۔ عادل نے اپنا وہ ڈیک بیچا جو اس کے چچا نے پچھلے سال اسے پاس ہونے پر تحفے میں دیا تھا اور بابر نے اپنا اکلوتا عزیز از جان اور بقول عادل کے لختِ جگر گٹار بیچ دیا تھا۔ اس سے اتنی رقم ہو گئی کہ وہ ایک ہفتے تک کسی اچھی جگہ رہ سکتے تھے۔ گاڑی کے لیے دادا جان کی شیورلیٹ کا انتخاب کیا گیا کیونکہ وہ ایک مہینے سے گیراج میں کھڑی تھی اور امکان تھا کہ مزید ایک مہینے تک کوئی اس گیراج میں جھانکے گا بھی نہیں۔ بابر نے اپنی انجینئرنگ کے کمال دکھائے اور دو دن میں گاڑی کو چلنے کے قابل بنا دیا۔ اگرچہ پیٹرول کے معاملے میں یہ گاڑی کسی سفید ہاتھی سے کم نہیں تھی مگر اس کا مسئلہ یوں نہیں تھا کہ پیٹرول انہیں کسی پیٹرول پمپ سے لینا ہی نہیں تھا۔ اس معاملے میں وہ اپنا پمپ ساتھ لیے پھرتے تھے۔

چار گاڑیوں میں سے اتنا تیل نکل آیا کہ وہ آرام سے اس خوب صورت تفریحی مقام پر پہنچ گئے اور انہیں اتفاق سے ایک ہوٹل میں چار دن کے لیے جگہ مل گئی مگر چند دن بعد انہیں بادلِ ناخواستہ وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ واپسی کے سفر کے لیے انہوں نے ہائی وے کا انتخاب کیا تھا۔ اس پر ڈرائیونگ ذرا آسان رہتی لیکن ایک جگہ انہیں گاڑیوں کی لمبی لائن سے واسطہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ واپسی کے لیے مڑتے عقب میں خاصی گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں اور اب وہ اس جگہ پھنسے رہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ابھی یہ مصیبت ہی کم نہیں ہوئی تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ عادل اتر کر گیا اور سب سے پیچھے والی گاڑی کو واپس جانے کو کہا۔ رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے گاڑیاں جانے لگیں۔ آخر میں ان کی گاڑی بھی بہ مشکل ریورس ہو پائی تھی۔

''اب کیا کریں؟'' بابر نے دریافت کیا ''سڑک تو بند ہو گئی ہے۔''

''کوئی نہ کوئی راستہ ہو گا۔'' عادل نے تسلی دی ''اگر راستہ نہ بھی ملا تو گاڑی میں ہی سو جائیں گے۔''

''اور رات کو سردی سے اکڑ جائیں گے۔'' بابر نے جلے ہوئے انداز میں کہا اس وقت انہیں وہ راستہ نظر آ گیا۔ یہ سڑک شاید حال میں ہی بنی تھی اور دو شاہراہوں کے درمیان رابطے کا کام دیتی تھی۔

☆☆☆

عین اسی وقت ایک سیاہ رنگ کی وین کار اس سڑک کے دوسرے کنارے سے مڑ رہی تھی۔ یہ والی ہائی وے کھلی تھی اور سیاہ وین والوں کی ہائی وے چھوڑنے کی وجہ بہت سادہ سی تھی۔ انہوں نے اس ہائی وے پر واقع ایک قصبے کے بینک کو لوٹا تھا اور ان کے ہاتھ میں ساڑھے چار لاکھ کی خطیر رقم آ گئی تھی۔ غالباً کسی وجہ سے بینک میں اتنی رقم آئی تھی ورنہ اس قسم کے قصباتی بینکوں سے انہیں لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ کی رقم نہیں ملا کرتی تھی اور وہ ان چھوٹے بینکوں پر اس وجہ سے ہاتھ صاف کرتے تھے کہ اس میں زیادہ شور نہیں ہوتا تھا اور اخبارات میں بھی زیادہ چرچا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کارروائی کر کے فوری طور پر اس علاقے کی حدود سے نکل جاتے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ایک جوان شخص تھا۔ چہرے سے وہ نرم خو اور کسی کالج کا لیکچرار نظر آتا تھا۔ درحقیقت اب تک دو افراد اس کے ہاتھوں راہی ملکِ عدم ہو چکے تھے اور کئی زخمی ہوئے تھے۔ عقب میں بیٹھی نوجوان عورت اس کی بیوی تھی لیکن صرف

کہنے کی حد تک ورنہ ان میں ایسا کوئی تعلق نہیں تھا۔ تیسرا شخص جو ذرا بھاری جسم رکھتا تھا اس کا دماغ موٹا تھا۔ باتیں ذرا مشکل سے اس کی سمجھ میں آتی تھیں۔ البتہ جو باتیں پاشا اسے سمجھاتا تھا، وہ خوب اچھی طرح سمجھ میں آتی تھیں۔ لڑکی کا نام گل بہار تھا۔ اس کا نام سن کر اور اس کے معصوم چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ ڈاکو تھی اور کئی بینک ڈکیتیوں میں ملوث رہی تھی۔ وہ کسی فیملی کی طرح سفر کرتے تھے اور راستے میں آنے والے چھوٹے بینکوں کو لوٹا کرتے تھے۔ گزشتہ دو سال میں انہوں نے سات وارداتیں کی تھیں۔ پاشا کھلے ہاتھ کا آدمی تھا جب اس کے پاس رقم ہوتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ کر دیا کرتا تھا۔ ان میں رقم تقسیم نہیں ہوتی تھی جو جتنی چاہتا خرچ کر دیتا۔ فضول خرچی میں گل بھی کم نہیں تھی اس کے سوٹ کیس میں کئی بیش قیمت زیورات اور کپڑے تھے۔ اس وقت بھی اس کے بدن پر سلک کا سوٹ تھا جو اس نے ایک بوتیک سے ساڑھے سات ہزار میں لیا تھا۔ پاشا اس سوٹ میں اسے دیکھ کر خوب ہنسا تھا۔

''یہ تم نے ساڑھے سات ہزار میں لیا ہے۔''

''اور وہ جو تم نے بارہ ہزار کے جوتے لیے۔'' گل بھنا کر کہتی۔

سعد کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی سوائے کھانے پینے کی چیزوں کے۔ ان کی وین جہاں بھی رکتی تھی وہ دکان سے ڈھیر ساری چاکلیٹیں، کینڈی بار، چپس کے پیکٹ اور کولڈ ڈرنک کے ٹن لے آتا تھا۔ وین کا پچھلا حصہ اس وقت بھی ان ہی چیزوں سے بھرا تھا۔ اور سعد کے ہاتھ میں چپس کا پیکٹ اور کوک کا ٹن تھا۔ گل ایک فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ سعد کی طرف بھی دیکھ لیا کرتی تھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔ اس دنیا میں اس کا ایک ہی خونی رشتے دار تھا۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد جب وہ فاقہ زدہ زندگی کی طرف بڑھ رہے تھے تو یہ پاشا تھا جس نے انہیں سہارا دیا تھا اور جب اس کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ وہ ڈاکو ہے تب بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ گل کے خیال میں اس معاشرے کا ہر فرد ڈاکو تھا۔ فرق چھوٹے بڑے کا تھا لہٰذا وہ بھی ڈاکو بن گئی۔ سعد کی کوئی مرضی نہیں تھی وہ وہی کرتا جو گل کہتی تھی۔

''میں فر کا کوٹ لوں گی۔'' گل نے پاشا کو مطلع کیا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ گزشتہ دو سال سے وہ بس بھاگ رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی مستقل ٹھکانا نہیں تھا۔ اب اتنی بڑی رقم آگئی تو وہ سوچ رہا تھا کہ اس علاقے میں کوئی چھوٹا موٹا گھر بنا لے۔ یہاں اسے زمین آسانی سے مل جاتی۔ وہ فارم بھی بنا سکتا تھا۔ اس کا تعلق کاشت کار خاندان سے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ زمین کس طرح آباد کی جاتی ہے۔ اس نے پہلا قتل اپنے باپ کے قاتل کا ہی کیا تھا اس کے بعد اس کے پیروں میں چکر تھا۔ اس کا اصل نام پاشا نہیں تھا۔ گزشتہ چھ سالوں میں اس نے اتنے نام بدلے تھے کہ اسے اپنا اصل نام بھی مشکل سے یاد آتا تھا۔ پاشا کا نام اسے گل نے دیا تھا۔ اس نے عقبی آئینے میں دیکھا۔ گل رسالہ دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ وین کا پچھلا حصہ ہموار تھا جس پر قالین تھے اور دیواروں پر فوم کی گدیاں لگی تھیں وہ اس پر سو بھی سکتے تھے۔ وہ مسکرایا اسے یہ لڑکی اچھی لگتی تھی لیکن اس نے یہ بات اسے بتائی نہیں تھی اور فی الوقت اس کا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔

معاً اس کی نظر سامنے نظر آنے والے بورڈ پر پڑی جس پر ''کوہسار ہوٹل'' لکھا تھا۔ اسے حیرت ہوئی بے شک یہ جنت نگاہ علاقہ تھا۔ حدِ نظر تک ہریالی ہی ہریالی تھی مگر یہ سڑک محض رابطے کے لیے تھی اس کا استعمال نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس پر ہوٹل بنانا خسارے کا سودا ہی کہا جا سکتا تھا۔ ''نہ جانے کون احمق ہے۔'' اس نے سوچا۔

☆☆☆

''تم احمق..... بے وقوف آدمی.....'' رخسانہ نے چنگھاڑ کر کہا۔ وہ خاصی حسین عورت تھی لیکن اس وقت تک جب تک خاموش رہے۔ اس کے بولتے ہی سارا بھرم ٹوٹ جاتا تھا۔ چالیس سال کی عمر میں بھی وہ متناسب جسم اور بے داغ جلد رکھتی تھی۔ اس کے سارے بال کالے تھے اور چہرے کے نقوش جاذبِ نظر تھے۔ مبین سے صرف اتنی غلطی ہوئی تھی کہ اس نے تصویر غلط جگہ لگا دی تھی۔ اسے ریسیپشن کے بجائے سیڑھیوں والے حصے پر لگانا تھا۔ کام کا دباؤ اتنا تھا کہ اس سے غلطی ہو ہی گئی اور رخسانہ کو موقع مل گیا۔ مبین نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیگم خدا کے لیے اتنی کرخت آواز میں مت بولا کرو۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی حسین سی بلی شیر کی آواز میں دہاڑنے لگی ہو۔''

یہ جملہ سن کر جمعہ ہنسنے لگا۔ رخسانہ چراغ پا ہو کر اس پر چڑھ دوڑی ''تم گدھے..... تم کس بات پر دانت نکال رہے ہو..... کام تمہارا باپ کرے گا۔''

جمعہ جلدی جلدی صفائی کرنے لگا۔ رخسانہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ وہاں بھی ابھی خاصا کام پھیلا ہوا تھا۔ رخسانہ کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے لوگوں کا ایک ریلا ہوٹل کی طرف آ رہا ہو۔ اسے ان کے استقبال کی فکر ہو۔ مبین کا

UrduPhoto.com

خیال تھا کہ اگر اس جگہ اس ہوٹل میں سال میں چار افراد بھی آجائیں تو بڑی بات ہوگی۔ یہ جگہ عام راستے سے بالکل ہٹ کر ہی تھی مگر وہ یہ بات رخسانہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ جسے سو فیصد یقین تھا کہ وہ اس جگہ کو ایک شاندار اور چلتا ہوا ہوٹل بنا کر چھوڑے گی۔ مبین میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اسے یاد دلاتا کہ وہ ایک پُررونق جگہ پر گیسٹ ہاؤس تو چلا نہیں سکی تھی۔ بالآخر بینک والوں نے اسے قرق کرلیا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ سکون سے رہتے رخسانہ نے بچی کھچی پونجی سے یہ عمارت خرید لی۔ سرکاری نیلامی میں وہ واحد بولی دینے والے تھے اس لیے پہلی بولی پر معاملہ ختم ہوگیا۔ عمارت دیکھ کر مبین کے منہ سے کراہ نکل گئی تھی۔

اس پہاڑی علاقے میں یہ انگریزوں کے دور کی پتھروں سے بنائی ہوئی تین منزلہ عمارت تھی۔ غالباً یہ سرکاری گیسٹ ہاؤس تھا۔ اس میں کل بائیس کمرے تھے مگر اسے ہوٹل میں بدلنا آسان کام نہیں تھا۔ بقول رخسانہ کے آسان کام دنیا میں کوئی نہیں ہوتا اور مبین کا خیال تھا کہ اگر اسے خود سے کوئی کام کرنا پڑ گیا تو اس کی رائے میں تبدیلی ممکن تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ سارے کام اس کے سر مار دینے کی عادی تھی۔ گزشتہ تین مہینے میں اس نے روزانہ بارہ گھنٹے کام کر کے عمارت کو اس قابل بنا دیا کہ اس میں کوئی معزز شخص آ کر ٹھہر سکے۔ اوپر کی دو منزلوں میں ہر کمرے کے ساتھ کامن باتھ روم تھا لیکن سب کی حالت بری تھی۔ چھتوں پر جالے لگے تھے۔ فرنیچر کی حالت الگ تباہ تھی۔ اس کو درست حالت میں لانا ایک آدمی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن وہ رخسانہ کی رائے سے اختلاف کر بھی نہیں سکتا تھا۔ رخسانہ نے اتنا کرم کیا کہ ایک مقامی لڑکے کو اپنی مدد کے لیے رکھ لیا۔ کام کرانے کے لیے اس نے مقامی سود خور سے رقم لی۔ اس وعدے پر کہ وہ ہوٹل میں کام شروع ہوتے ہی اس کی رقم لوٹانا شروع کردے گی۔ مبین نے اسے منع کیا کہ اس سے رقم نہ لے۔ ان کا سود در سود کا چکر اسے جکڑ لے گا۔ مگر رخسانہ سننے والی عورتوں میں سے نہیں تھی۔

تین مہینے کی شب و روز محنت کے بعد اس عمارت کی صورت نکل آئی تھی۔

پہلی منزل پر کچن اور دفتر کے علاوہ ایک ڈائننگ ہال اور ایک چھوٹا سا کیفے تھا۔ کیفے باہر کے رخ پر کھلتا تھا اور وہ اس پر صرف چائے، کافی، یا کولڈ ڈرنک فراہم کی جاتی تھی۔ فی الوقت کیفے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ عمارت اس پہاڑی کٹاؤ کے عین کنارے پر تھی جو بلندی کی طرف جارہا تھا۔ اس کے دوسری طرف کھائی اور پھر جنگل تھا اور سامنے وسیع وادی پھیلی تھی۔ سڑک سے ایک پتھریلی سڑک تقریباً پچاس فٹ کی اونچائی تک ہوٹل تک آتی تھی۔ سامنے ہموار قطع پر پارکنگ کی جگہ تھی جہاں آرام سے دس بارہ گاڑیاں پارک ہوسکتی تھیں۔ رہائش کے لیے کمرے دوسری اور تیسری منزل پر تھے۔ گراؤنڈ فلور پر دو کمرے رخسانہ اور مبین نے اپنے لیے رکھے تھے اور بہ وقتِ ضرورت ہنگامی حالات کے لیے دو کمرے تھے۔ ملازم لڑکے جمعہ خان کو عمارت کے ساتھ بنے مختصر سے کمرے میں رہائش دی گئی تھی۔

رخسانہ، جمعہ سے ہوٹل کے سامنے والی سیڑھیوں کی صفائی کروا رہی تھی جب سیاہ رنگ کی وین اسے ہوٹل کی طرف مڑتی نظر آئی۔ مارے خوشی کے اس کا سانس ہی پھول گیا تھا۔ جمعہ خان کو تیز تیز ہاتھ چلانے کا کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے چلّا کر مبین کو آواز دی جو دیوار... پر تصویر ٹانگ رہا تھا۔ تصویر اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی تھی اس نے شکر ادا کیا کہ گری نہیں ورنہ رخسانہ سے اسے بے بھاؤ کی سننا پڑتیں۔ اس نے چلا کر کہا ''کیا آفت آ گئی۔''

''آفت نہیں احمق آدمی۔ گاہک آرہے ہیں جلدی سے نیچے کاؤنٹر پر آؤ۔''

اسی اثنا میں وین آ کر ہوٹل کے سامنے رکی۔ اس میں سے چشمہ لگائے ایک صحت مند نوجوان اترا تھا۔ اس نے عقابی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

مقصود نے کار کو آرام سے اس تنگ موڑ سے گزارا۔ بچے بے حد اکسائٹڈ تھے اور ثمینہ نشست سے پشت لگائے اونگھ رہی تھی۔ وہ صبح سویرے روانہ ہوئے تھے۔ مقصود نے بکنگ کرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس علاقے کی فون لائنیں خراب تھیں۔ وہ ایسے ہی روانہ ہوگئے تھے۔ جون کے مہینے میں اس علاقے میں ہوٹل میں جگہ ملنا دشوار تھا لیکن اسے امید تھی کہ اس کو کسی مسئلے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ راستے میں انہوں نے دو ہوٹلوں میں کوشش کی لیکن انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور اب اسے فکر ہونے لگی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں رات کار میں ہی گزارنی پڑے۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے ہوٹل میں کھالیا تھا اور پیک بھی کروالیا تھا۔ یوں کھانے کا مسئلہ نہیں تھا۔ مسئلہ رات کا تھا۔ ثمینہ نے اس سے کچھ کہا نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا اسے زیادہ فکر ہوگی۔ رمیض کئی بار پوچھ چکا تھا کہ وہ کہاں ٹھہریں گے اور ثنا اسے ہر بار ڈانٹتی تھی کہ ابو کو تنگ نہ کرے۔

UrduPhoto.com

مقصود کو وہ بورڈ اتفاقاً ہی نظر آیا تھا۔ اس پر ہوٹل کوہسار لکھا تھا اور تیر سے آگے آنے والے موڑ کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ یہ سڑک ہائی وے سے اندر جارہی تھی۔ یعنی ہوٹل اندر کی طرف تھا۔ اسے حیرت تھی۔ یہ سڑک حال ہی میں بنی تھی اور اس پر کوئی آبادی بھی نہیں تھی پھر یہ ہوٹل کہاں سے آ گیا۔ پچھلے سال تک اس کا کوئی وجود نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر اس معمولی سی سڑک پر ہوٹل کھولنے کا خیال کسے آیا تھا۔ بہرحال اس نے کار موڑ کی طرف گھمادی۔ گزشتہ آٹھ گھنٹے سے ڈرائیونگ کرنے کے بعد اسے ہوٹل کوہسار کا بورڈ نظر آ گیا۔ اس کی عمارت ذرا بلندی پر تھی اور اس تک جانے کے لیے پتھروں سے بنی سڑک تھی جب اس نے ہوٹل کے سامنے کار روکی تو اسے وہاں کھڑی سیاہ وین بھی نظر آئی یعنی ہوٹل میں اور لوگ بھی ٹھہرے تھے۔ اس نے سوچا اور پیچھے مڑ کر بچوں کی طرف دیکھا۔

"بچوں میرا خیال ہے۔ ہمیں رات گزارنے کے لیے جگہ مل گئی ہے۔"

☆☆☆

کرمانی صاحب نے ناپسندیدہ انداز میں سر جھٹکا اس کی وجہ مسز کرمانی کے خراٹے تھے۔ سیٹ سے ٹیک لگائے وہ سو رہی تھیں اور ان کا منہ کھلا تھا۔ فوکسی نے انہیں خوب پریشان کیا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی سابقہ بدلے نکال رہی تھی۔ راستے میں ..... کم سے کم چار بار اس نے گڑبڑ کی۔ سفر کا یہ بے حد نامبارک آغاز تھا اور ان کے خیال میں اس کی وجہ وہی یکم جون کی تاریخ تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے منحوس دن۔

صبح سویرے وہ لوگوں کے مبارک باد کے پیغامات سے پہلے ہی گھر سے نکل گئے تھے۔ ان کا ارادہ شمال کے بعید ترین تفریحی مقام پر جا کر وقت گزارنے کا تھا۔ جہاں انہیں جاننے والوں کے ملنے کا کم سے کم خطرہ ہو۔ چھ گھنٹے بعد وہ لنچ کے لیے ایک جگہ رکے۔ کھانا کھا کر مسز کرمانی حسب عادت سو گئیں اور وہ بوریت کے عالم میں ڈرائیونگ کررہے تھے۔ انہیں فکر ستا رہی تھی کہ رات کہاں بسر کریں گے۔ سیٹیں کتنی ہی آرام دہ سہی ان پر سویا نہیں جاسکتا تھا۔

ایسے میں انہیں ہوٹل کوہسار کا بورڈ نظر آیا تو انہیں بے حد خوشی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں انہیں بے شک جھگی ہوٹل کا بورڈ نظر آجاتا تب بھی وہ ضرور رکتے۔ انہوں نے فوکسی گھمادی۔ اگر مسز کرمانی جاگ رہی ہوتیں تو ضرور اس فیصلے سے اختلاف کرتیں۔ انہوں نے شکر ادا کیا کہ وہ سو رہی تھیں۔ ان سے بحث کرنا انہیں اس وقت بھی ناگوار گزرتا تھا جب وہ بڑی نازک اندام اور حسین سی ہوا کرتی تھیں۔ اور اب..... انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری وقت بھی کیسی کیسی حسین عمارتیں کھنڈر کردیتا ہے۔ انہوں نے فوکسی اس سوک کے برابر میں کھڑی کی اور مسز کرمانی کو شانے سے پکڑ کر ہلایا "اٹھ جاؤ بیگم....."

☆☆☆

رخسانہ کا مارے خوشی کے برا حال تھا اور مبین کا مارے حیرت کے۔ ابھی ان کے ہوٹل نے صحیح سے کام بھی شروع نہیں کیا تھا اور بارہ افراد آ چکے تھے۔ عمارت کے سامنے چار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سب سے آخر میں دو نوجوان اندر آئے انہوں نے سفری بیگ اٹھا رکھے تھے۔ پہلا جوڑا مع اپنے بچوں کے کمروں میں جا چکا تھا۔ بھاری بھرکم میاں بیوی صوفے پر بیٹھے بحث کررہے تھے کہ انہیں پہلی منزل پر ٹھہرنا چاہیے یا دوسری منزل پر۔ شوہر کا خیال تھا کہ پہلی منزل مناسب تھی۔ اس صورت میں انہیں کم سیڑھیاں چڑھنا پڑیں گی۔ جب کہ بڑی بی کا خیال تھا کہ زیادہ سیڑھیاں چڑھنے سے زیادہ ورزش ہوگی۔ اس پر بڑے میاں نے کہا کہ ورزش کی زیادہ ضرورت انہیں ہے کیونکہ ان کا اوسط وزن بڑے میاں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ "بہتر ہوگا کہ تم اوپر والی منزل پر ٹھہر جاؤ۔"

"تم سرکاری افسر ضرور ہو لیکن حرام نہیں کھاتے۔" بڑی بی بولیں "ورنہ ہم دو کمرے لے سکتے تھے۔ ایک کمرا مناسب رہے گا۔"

"اس صورت میں گھر میں رہنا زیادہ مناسب تھا۔ جہاں مجھے اپنا الگ کمرا میسر تھا۔"

سیاہ وین والے افراد ڈائننگ روم میں ڈنر کررہے تھے۔ رخسانہ نے آج چکن کڑاہی اور ساتھ میں چائنیز بریانی بنائی تھی۔ یہ اس کی اپنی ایجاد تھی۔ میٹھے میں اس نے ان کی فرمائش پر کھیر بنائی تھی۔ انہوں نے پہلے ہی پہلی منزل پر دو کمرے لے لیے تھے اور جمعہ خان نے سیاہ وین سے ان کا سامان منتقل کردیا تھا۔ اس میں ایک خاصا بھاری بھرکم بیگ تھا جس پر تالا بھی لگا تھا۔ رخسانہ کو ان میں سے لڑکی اچھی لگی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا چشمے والے نوجوان سے کوئی رشتہ نہیں تھا کیونکہ وہ اس کو نہ تو شوہر کی طرح مخاطب کررہی تھی اور نہ ہی بھائی کی طرح۔ اس کے مقابلے میں موٹا لڑکا اس کا بھائی لگ رہا تھا۔

لڑکے سیدھے اس کی طرف آئے تھے۔ بظاہر ان کا حلیہ آوارہ گردوں والا تھا لیکن نہ جانے کیوں اسے لگا جیسے ان کا تعلق کسی اچھے گھرانے سے ہو۔ انہوں نے اپنے بیگ کاؤنٹر پر رکھے اور بے تکلفی سے بولے "ہم ایک رات یہاں رکنے کو تیار ہیں اگر کرایہ برائے نام ہو تو۔"

UrduPhoto.com

''ہم ایک ڈبل بیڈ کا ایک رات کا پانچ سو چالیس روپے لیتے ہیں اس میں ٹیکس اور ناشتا شامل ہے۔''

عادل نے گہری سانس لی ''ہم اس کا آدھا بھی دینے کے قابل نہیں ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے رات ہمیں اپنی کار میں گزارنی پڑے گی۔''

''تم دو سو دے کر رات سکون سے بستر پر گزار سکتے ہو۔''

بابر نے اپنی جیب سے اپنی آخری رقم نکالی۔ ساری رقم ایک سو نوے روپے تھی۔ جو اس نے رخسانہ کے سامنے رکھ دی۔ ''ہمارے پاس بس اتنے ہی ہیں۔''

رخسانہ نے گہری سانس لے کر رقم کو کیش کے خانے میں گرا دیا۔ اس وقت اتنے بھی غنیمت تھے۔ اس نے انہیں وارننگ دی ''لیکن صبح بارہ بجے تک تم لوگ ...کمرا خالی کر دو گے۔''

''بالکل میڈم! آپ فکر نہ کریں۔'' بابر نے اسے یقین دلایا اور دزدیدہ نظروں سے ڈائننگ ہال کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو آ رہی تھی۔ انہوں نے ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے کھایا تھا اور اب ان کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ صبح تک انہیں صبر کرنا تھا۔ رخسانہ نے جمعہ خان کو آواز دی اور اسے ان کو سامان سمیت کمرا نمبر دو سو آٹھ میں پہنچانے کی ہدایت کی۔ یہ تیسری منزل پر آخری کمرا تھا۔ اس طرف کے چاروں کمروں میں باتھ روم بھی کامن تھا۔ کمرا ٹھیک تھا۔ بستر بہ مشکل ڈبل بیڈ کہا جا سکتا تھا مگر گزارے لائق تھا۔ عقبی حصے میں کامن بالکونی تھی۔ بابر نے باہر جا کر دیکھا۔ چاند کی روشنی میں دور تک پھیلے پہاڑ اور جنگل خوب صورت منظر پیش کر رہے تھے لیکن جب اس نے بالکونی سے نیچے جھانکا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ہوٹل کی عمارت پہاڑ کے کٹاؤ کے کنارے پر تھی اور بالکونی کے نیچے تقریباً سیدھی ڈھلان جا رہی تھی اور یہ سیکڑوں فٹ گہری تھی۔ اگر کوئی یہاں سے گر جائے تو اس کی ہڈیاں پسلیاں ایک ہو جائیں۔ اس نے جلدی سے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا۔ عادل بستر پر لیٹا تھا اور دھیمے سروں میں سیٹی بجا رہا تھا۔ بابر دھم سے اس کے برابر میں بیٹھا اور بولا ''اب مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی اگر تو برا نہ مانے تو میں تھوڑی سی آدم خوری کر لوں۔''

''میرے علاوہ کسی کو بھی کھا لے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر کوئی مل جائے تو مجھے بھی بلا لینا۔''

''یار کیوں نہ ہوٹل کے کچن میں چھاپا مارا جائے۔''

''اس عورت کو دیکھا تھا۔'' عادل بولا ''کتنی تیز لگ رہی تھی مجھے تو لگتا ہے کہ وہ کچن بھی لاک کرتی ہوگی۔''

''کوشش کرنے میں کیا حرج ہے یار..... صبح تک تو میں فاقے سے ہلاک ہو جاؤں گا۔''

''یاد ہے ایک بار ہم راستہ بھٹک گئے تھے پہاڑوں میں اور تین دن بھوکے پیاسے پھرتے رہے تھے۔ تو اس وقت بھی بچ گیا تھا۔ امید ہے اب بھی اتنا ہی بے غیرت ثابت ہوگا۔ سوجا میرے بچے اور رات کو خراٹے لیے تو لات مار کر نیچے گرا دوں گا۔'' عادل نے کہا اور چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔

اگرچہ رات بے حد سرد تھی لیکن کمرا حیرت انگیز طور پر گرم تھا حالانکہ وہاں موجود آتش دان بالکل ٹھنڈا پڑا تھا۔ عادل لیٹ گیا تھا لیکن بابر کو مارے بھوک کے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ نیچے کا ایک چکر لگائے گا۔ ظاہر ہے کوئی بھی اسے ہوٹل میں گھومنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ بارہ بجے کے قریب وہ دبے پاؤں اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اسے امید تھی کہ وہ کچن تلاش کر لے گا اور اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز بھی۔ وہ دبے قدموں نیچے تک آیا۔ سوائے سیڑھی کے ہر طرف اندھیرا تھا۔ ریسپشن پر ہلکی سی لائٹ جل رہی تھی مگر باہر جانے والا شیشے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے کچن تلاش کر لیا مگر اس کے دروازے پر موٹا سا تالا دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی تھی۔ گویا کچن سے جو اس کی امید تھی وہ ختم ہو گئی تھی۔ اس نے ڈائننگ ہال دیکھا مگر وہاں بھی ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے کھایا جا سکے۔

''کنجوس لوگ۔'' اس نے زیر لب کہا پھر اسے خیال آیا کہ نیچے آ ہی گیا ہے تو ذرا ہاتھ کی صفائی دکھا دے۔ ویسے بھی انہیں کل روانہ ہو جانا تھا اور راستے میں پیٹرول کم پڑ جاتا تو اس کے لیے مشکل ہوتی۔ وہ باہر آیا۔ غضب کی سردی میں اسے جھرجھری سی آ گئی تھی۔ وہ اپنی کار کی طرف بڑھا اس کی چابی ڈکی کے نچلے حصے میں اس طرح پھنسائی تھی کہ وہ کسی صورت نہیں گر سکتی تھی اس نے ہاتھ ڈال کر چابی نکالی۔ ڈکی کھول کر کین، ربر پائپ اور تالا کھولنے والا مخصوص وائر نکالا۔ پیٹرول کے لیے اس نے وین کا انتخاب کیا۔ اس کا ٹینک زیادہ بڑا ہوتا ہے اور ظاہر ہے اس میں پیٹرول بھی زیادہ ہی تھا۔ اگر وہ ایک دو کین نکال لیتا تو وین والوں کو شاید پتا بھی نہ چلتا۔ اس نے تار کی مدد سے ایک منٹ میں وین کے پیٹرول ٹینک کے کیپ کا تالا کھول لیا۔ ربر پائپ اندر ڈال کر اس نے پیٹرول کھینچا اور اسے جیری کین میں گرانے لگا۔ جیری کین دو گیلن کا تھا۔ اسے دو تہائی بھر کر اس نے وین کا ٹینک کیپ اسی طرح بند کیا۔ اسی لمحے اسے ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف سے کوئی آتا نظر آیا۔ وہ فوراً نیچے ہو گیا۔

☆☆☆

ثنا، رمیض اور فیض ایک ہی کمرے میں تھے۔ فیض سو گیا تھا اور ثنا رمیض کے ساتھ لڈو کھیل رہی تھی۔ اس قسم کے کھیل وہ سفر میں ساتھ رکھا کرتے تھے۔ پھر رمیض بور ہونے لگا۔ وہ مسلسل ہار رہا تھا اس نے بورڈ الٹ دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ''ہم نہیں کھیلتے نیند آ رہی ہے۔''

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہار رہے ہو تو بہانہ کر رہے ہو۔'' ثنا نے اسے چڑایا لیکن خود اسے بھی بوریت ہو رہی تھی اس نے سونے کا سوچا پھر اسے یاد آیا کہ اس کا ٹوتھ برش نیچے کار کے بیگ میں رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ جا کر لے آئے۔ اس نے رمیض کا پیر ہلایا۔ ''اے رمیض میرے ساتھ چلو نا..... نیچے کار سے ٹوتھ پیسٹ لانا ہے۔ مجھے برش کیے بغیر نیند نہیں آئے گی۔''

''خود چلی جائیں۔'' رمیض نے ہلکا کمبل سر پر اوڑھ لیا۔

اسے غصہ آ گیا۔ اس نے سوچا کہ خود چلی جائے۔ کار کی ایک چابی اس کے پاس بھی تھی۔ مقصود نے کار کی چابیاں سب کو دے رکھی تھیں تاکہ بہ وقتِ ضرورت کام آئیں۔ اس نے ہلکی سی قمیص اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ پیروں میں جوگرز پہن کر وہ نیچے آئی، اسے حیرت ہوئی جب اسے ہوٹل کا داخلی دروازہ کھلا ملا تھا۔ کیا کوئی اور بھی باہر گیا تھا۔ اس نے سوچا اور باہر آ گئی۔ باہر غضب کی سردی تھی۔ وہ لرز گئی لیکن ایک منٹ کا کام تھا۔ وہ تیزی سے کار کی طرف بڑھی اور لاک کھول کر عقبی نشست پر اپنا رہ جانے والا بیگ اٹھایا۔ اسی لمحے اسے سڑک سے ہوٹل کی طرف آنے والے راستے پر ایک بڑی گاڑی مڑتی نظر آئی۔ وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے نیچے جھک گئی۔ اب اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے آنے والے کون تھے۔ اس کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

☆☆☆

نیلے رنگ کی اس بڑے سائز کی وین نما ٹرک کے عقبی حصے کو خصوصی طور پر مضبوط بنایا گیا تھا۔ کیونکہ یہ گاڑی قیدیوں کی منتقلی کے کام آتی تھی۔ شمالی علاقے کی چھوٹی جیلوں سے کوئی درجن بھر خطرناک قیدیوں کو ایک بڑی وفاقی جیل میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ اس پک اپ ٹرک میں ان درجن بھر قیدیوں کے ساتھ چند مسلح گارڈز بھی تھے اور ایک گارڈ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ قیدیوں کو ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ تاکہ وہ زیادہ حرکت نہ کر سکیں۔ اس کے باوجود مسلح گارڈز پوری طرح چوکنا تھے۔ یہ سارے قیدی بے حد خطرناک تھے ان میں قاتل تھے۔ دہشت گرد تھے اور ڈاکو تھے۔ بیشتر کے ہاتھوں پر کسی نہ کسی کا خون تھا۔ ہر دو قیدیوں کو آپس میں ملا کر باندھا گیا تھا اور ان پر ایک گارڈ تھا جو ان پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

پہلی قطار میں جو دو قیدی بندھے بیٹھے تھے ان میں ایک زرک جان نامی ڈاکو تھا کئی سال تک اس نے علاقے میں دہشت پھیلا کر رکھی تھی۔ بے شمار ڈاکے اور قتل کی وارداتیں اس کے نام پر تھیں۔ ایک سال پہلے پولیس نے اسے بہ مشکل گرفتار کیا تھا۔ اور اسے عدالت سے عمر قید کی سزا ہوئی تھی۔ وہ جس جیل میں تھا اس پر اس کے ساتھیوں کے حملے کے خطرے کے پیشِ نظر اسے وہاں سے وفاقی جیل منتقل کیا جا رہا تھا اس کے ساتھ بندھا شخص بھی ڈاکو ہی تھا لیکن اس کا تعلق زرک جان کے گروپ سے نہیں تھا۔ زرک جان بے چین تھا اس کی نظریں بار بار قیدیوں اور گارڈز پر پھسل رہی تھیں۔ معاً اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اس نے اپنے ساتھی کو کچھ پکڑایا۔ اس کے ساتھی نے وہ چیز تھامی اور ساتھ بیٹھے گارڈ کی ران میں چبھو دی۔ اس نے سسکاری لے کر ان کی طرف دیکھا اور فرش پر لڑھک گیا دوسرے گارڈز چونکے۔

''اسے کیا ہوا؟'' ایک گارڈ نے تشویش سے کہا۔ وہ سب اس پر جھک گئے تھے۔

''میرا خیال ہے اسے دل کا دورہ پڑا ہے۔'' ایک گارڈ نے ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے کہا اور اچانک رائفل سیدھی کر کے اپنے ساتھی گارڈز پر برسٹ مارا۔ وہ سب قریب قریب تھے اس لیے سب ہی گھائل ہوئے۔ ان کی چیخوں اور برسٹ کی آواز سے وین کے اندر کی فضا جھنجھنا گئی تھی۔ گارڈ نے اپنے تڑپتے ساتھیوں پر مزید فائر کیے اور ان کو ٹھنڈا کر دیا اس کے بعد اس نے پلٹ کر ڈرائیور والے کیبن سے جھانکتے چیختے گارڈ کو گولی ماری۔ وہ صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے بعد اس نے جالی سے رائفل کا رخ ڈرائیور کی طرف کر کے اسے حکم دیا۔

''گاڑی روک دے ورنہ تجھے بھی مار دوں گا۔''

موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ اس اثنا میں قیدی جلدی جلدی اپنی زنجیروں کے تالے کھول رہے تھے۔ چابی انہوں نے مارے جانے والے گارڈز کے سربراہ کی جیب سے نکال لی تھی۔ آزاد ہوتے ہی زرک جان خونخوار درندے کی طرح حرکت میں آیا۔ اس نے ایک مردہ گارڈ کی رائفل اٹھائی اور فائر کر کے وین کا عقبی تالا توڑ دیا کیونکہ اس کی چابی آگے مارے جانے والے گارڈ کے پاس تھی۔ وہ نیچے کود کر ڈرائیور والی سیٹ کی طرف جھپٹا۔ اس نے

دروازہ کھول کر خوف زدہ انداز میں ڈرائیور کو نیچے کھینچا اور اسے زمین پر گراتے ہوئے بے دریغ گولی ماردی۔ گولی اس کے سر میں اتر گئی۔ وہ بناتڑپے ختم ہوگیا تھا۔

قیدیوں نے آزاد ہوتے ہی گارڈز کا اسلحہ سنبھال لیا تھا۔ زرک جان نے پولیس والوں کی لاشیں نیچے کھائی میں پھینکنے کا حکم دیا۔ کچھ قیدی اس ساری کارروائی سے پریشان تھے ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی صورت حال پیش آئے گی۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں بھی اس کارروائی میں شامل سمجھا جائے گا۔ بادل ناخواستہ انہوں نے زرک جان کے حکم پر گارڈز کی لاشیں اٹھا کر نیچے کھائی میں پھینکیں۔ وین کا عقبی فرش اور ڈرائیونگ کمپارٹ میں مارے جانے والے گارڈز کے خون سے تر نشست کو صاف کیا۔ اس دوران میں زرک جان نے اس گارڈ کا شانہ تھپتھپایا۔ ''دل خوش کردیا جوان۔''

''شکریہ جناب۔'' وہ کھل گیا ''ہم تو آپ کے غلام ہیں۔ بڑی مشکل سے گارڈ کی جگہ لی تھی۔''

''اب ہم نے کہاں جانا ہے۔''

''جگہ میں نے دیکھ لی ہے۔ صرف تین آدمی ہیں وہاں۔ اس جگہ آپ آرام سے مہینہ بھر بھی رہ سکتے ہیں۔ اس طرف کوئی نہیں جاتا۔ وہ جگہ یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔''

''چلو تم ڈرائیونگ کرو۔ ہم سب پیچھے رہیں گے۔''

وہ سب دوبارہ وین میں سوار ہوگئے۔ زرک جان نے اپنے چھ ساتھیوں کے علاوہ باقی پانچ افراد سے پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ ان کی منشا کیا ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ انہیں اپنے ساتھ ہی سمجھ رہا تھا یا سمجھتا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرسکتے تھے۔ اسلحہ اس کے ساتھیوں کے پاس ہی تھا۔ انہیں سات خودکار رائفلیں اور ان کا ایمونیشن مل گیا تھا۔ وین کے ڈرائیونگ کمپارٹ کے ایک حصے میں رائفلوں کے اضافی میگزین اور دستی بم اور دھوئیں کے بم بھی تھے۔ لیکن ابھی انہیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ وین رات کی تاریکی میں تیز رفتاری سے سفر کررہی تھی۔

قیدیوں میں ایک نوجوان سجاد میر بھی تھا۔ مضبوط جسامت کا یہ نوجوان قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔ اس نے خاندانی تنازعے میں اپنے چچازاد بھائیوں پر فائرنگ کردی تھی۔ ایک بھائی ہلاک اور دوسرا زخمی ہوگیا تھا۔ سجاد نے خود گرفتاری دے دی تھی۔ اس نے تسلیم کیا تھا کہ اس نے اشتعال کے عالم میں یہ کارروائی کی تھی۔ اب اسے پچھتاوا ہوتا تھا۔ کاش اس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ اس نے صبر کیا تھا۔ اس کی وجہ اس کی چچازاد زرینہ تھی۔ نازک سی اور دلکش زرینہ اس وقت سے اس کے دل میں تھی جب اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس کی خاطر ہی وہ فوج میں چلا گیا تھا کیونکہ زرینہ کو فوجی جوان اچھے لگتے تھے۔ جب وہ پہلی بار چھٹی پر گاؤں آیا تو اس نے سب سے پہلے زرینہ سے ملاقات کی۔ تاکہ اسے خود کو وردی میں دکھا سکے۔ خود زرینہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی لیکن اپنے بھائیوں کی لالچی فطرت سے ڈرتی تھی جو اسے بھی باپ کا ورثہ سمجھتے تھے اور اس کے دام کھرے کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ ان کے علاقے میں بہن اور بیٹی کو رقم کے عوض کسی سے بیاہ دینا رواج تھا۔ ان سنگین لمحات میں سجاد کو زرینہ یاد آرہی تھی۔ جانے وہ کس حال میں ہوگی۔ اس کے زندہ بچ جانے والے بھائی نے اسے کسی کے ہاتھ بیچ نہ دیا ہو۔ اسے سزا ہوئے چھ مہینے ہوچکے تھے اور اسی دوران میں وہ ملنے کے لیے آنے والوں سے زرینہ کے بارے میں پوچھ نہیں سکا تھا۔

اچانک وین کسی ڈھلانی راستے پر گھوم گئی۔ اور کچھ دیر بعد رک گئی۔ اس نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ ونڈ شیلڈ سے ایک عمارت نظر آرہی تھی۔ گویا یہ ان مفروروں اور قاتلوں کا ٹھکانا تھی۔

☆☆☆

ثنا کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ جب اس نے ایک رائفل بردار کو وین کے عقبی حصے سے نکلتے دیکھا۔ اس کے جسم پر لبادہ اور پاجامہ تھا جیسا کہ قیدی پہنتے ہیں۔ وہ کار کے پیچھے مزید دبک گئی۔ اسے کسی کی کرخت آواز سنائی دی۔ ''یہاں تو اتنی گاڑیاں ہیں۔ تو کہہ رہا تھا کہ تین آدمی ملیں گے۔''

پولیس کی وردی میں ملبوس شخص پریشانی سے دیکھ رہا تھا ''وہ تین افراد ہیں..... اس عمارت کو ہوٹل بنا رہے ہیں۔ پرانی جلدی ہوٹل کیسے کھول لیا۔''

''ہوٹل نہیں تیری ماں کا.....'' کرخت آواز والے نے ایسی بات کی کہ ثنا کو اپنے کانوں کی لوئیں تپتی محسوس ہوئی تھیں۔

''ادھر دیکھو کوئی ہے تو نہیں۔'' کرخت آواز والے نے حکم دیا اور کئی افراد گاڑیوں کی طرف آنے لگے۔ وہ سب مسلح تھے۔ ثنا کا خوف سے برا حال ہورہا تھا۔ اس نے پہلے گاڑی میں گھسنے کا سوچا لیکن وہ لاک کھلنے کا کھٹکا آنے والوں کو فوراً متوجہ کرلیتا۔ کار کے نیچے اتنی گنجائش نہیں تھی کہ وہ گھس سکتی۔ اس کی نظر برابر میں کھڑی وین پر پڑی۔ وہ زمین سے اتنی اونچی تھی کہ وہ آسانی سے اس کے نیچے آسکتی تھی۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ وین کے نیچے گھس گئی۔ درمیان میں جانے کی کوشش میں وہ کسی سے ٹکرائی اور اس سے پہلے اس کے منہ سے چیخ نکلتی ایک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔

''خاموش رہنا۔'' بابر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ آنے والا کون ہے لیکن ہاتھ تلے دبے نازک لب اور اس کے بازو کو چھوتا گداز بتا رہا تھا کہ وہ کوئی لڑکی ہے۔ لڑکی نے سر ہلا کر اسے اپنی رضامندی سے آگاہ کیا تو اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ لڑکی نے جلدی سے اپنے بدن کو چھوتی اس کی کہنی بھی دور کر دی اور اس سے ذرا سا سرک گئی باہر ان لوگوں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔

''ان لوگوں کا کیا کرنا ہے؟'' کرخت آواز والے نے پاس ہی سے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''اڑا دو۔'' پولیس کی وردی پہنے شخص نے مشورہ دیا ''بے کار ہیں۔''

''نہیں۔'' کرخت آواز والا بولا ''یہ کام آئیں گے اگر پولیس نے گھیر لیا تو انہیں چارے کے طور پر استعمال کریں گے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

ثنا کو اس بار چیخ روکنے کے لیے اپنا ہاتھ خود منہ پر رکھنا پڑا تھا۔ یہ لوگ کتنی آسانی سے لوگوں کو مارنے کی بات کر رہے تھے۔ اسے لگا جیسے وہ کوئی خوف ناک خواب دیکھ رہی ہو۔ لیکن اس کی کمر تلے چبھتا پتھریلا فرش بتا رہا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے اور یہ سب حقیقت ہے۔ وہ لوگ اب عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ کرخت آواز والا اپنے ساتھیوں سے وین کو ٹھکانے لگانے کو کہہ رہا تھا۔ ''پہلے اس کا سارا پیٹرول بہا دینا۔ ورنہ کھائی میں گرتے ہوئے آگ لگ گئی تو دور سے نظر آئے گی ممکن ہے پولیس ہیلی کاپٹر استعمال کرے تلاش کے لیے۔''

وین اسٹارٹ ہوئی اور گھوم کر واپس ہائی وے کی طرف چلی گئی۔ وہ لوگ عمارت کے اندر جانے لگے۔ آخر وہاں پر کوئی نہ رہا۔ ثنا نے وین کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کی تھی کہ بابر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ''کہاں جا رہی ہو؟''

''اندر..... وہاں میرے پاپا ہیں مما ہیں بھائی ہیں۔''

''وہ پھنس گئے ہیں کیا تم بھی جا کر پھنسو گی..... آرام سے بیٹھو۔ مجھے یہ لوگ خطرناک لگ رہے ہیں۔''

''یہ..... یہ ڈاکو ہیں۔'' ثنا ڈر کر اس کے نزدیک آ گئی۔

''نہیں۔ میرا خیال ہے یہ پولیس سے فرار ہوئے ہیں۔ تم نے وین نہیں دیکھی تھی۔ وہ قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی ہے۔''

''ان کے پاس گن ہے۔ یہ لوگوں کو کچھ کہیں گے تو نہیں۔'' ثنا اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے بارے میں فکرمند تھی۔

''میرا خیال ہے نہیں۔'' بابر نے اس سے زیادہ خود کو یقین دلایا۔ اسے بھی عادل کی فکر تھی۔

''باہر نکلو مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' ثنا نے کہا۔

''سنو ہمیں کسی طرح یہاں سے نکل کر پولیس کو اطلاع کرنی ہوگی ورنہ یہ لوگ کسی کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔''

''ہم کیسے جائیں گے؟'' ثنا نے پوچھا۔

''ابھی تم نے کار کھولی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس کار کی چابی ہے۔ ہم اس کی مدد سے یہاں سے نکل کر پولیس کی مدد لا سکتے ہیں۔''

''میں..... اپنے امی ابو کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔''

''احمق لڑکی۔'' بابر جھنجلا گیا..... ''تم انہیں چھوڑ کر نہیں جا رہی ہو۔ ان کی جان بچانے کے لیے جا رہی ہو۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' ثنا تیار ہو گئی۔ وہ سرک کر باہر نکلی۔ اس نے ذرا سا اٹھ کر دیکھا۔ ہوٹل کے سامنے والا دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے ایک سایہ جھانک رہا تھا۔ وہ جلدی سے نیچے ہو گئی۔ اس کا سر بابر کے سر سے ٹکرایا۔ اس نے کراہ کر کچھ کہنا چاہا مگر ثنا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ دروازے کی طرف اشارہ کر رہی تھی جہاں ایک شخص باہر آ رہا تھا۔ اس کا رخ گاڑیوں کی طرف تھا۔

☆☆☆

مبین نے غنودگی میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ''خدا کے لیے رات کو تو سکون سے سونے دیا کرو۔'' جواب میں رخسانہ نے اسے جھنجوڑ دیا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ رخسانہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی ''باہر کوئی ہے۔ میں نے آہٹ سنی ہے۔ جا کر دیکھو۔''

''بلی ہوگی۔'' مبین نے دوبارہ لیٹنے کی کوشش کی مگر رخسانہ نے اسے دوبارہ جھنجوڑا۔

''مجھے یہ کوئی آدمی لگ رہا ہے۔''

اپنی تقدیر کو کوستے ہوئے مبین نے اپنا گاؤن اور چپل پہنی۔ وہ ڈوریاں کستے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک سرد سی چیز اس کی ناک سے آ لگی۔ غور کرنے پر وہ رائفل کی نال ثابت ہوئی۔ رائفل ایک خوف ناک شخص کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے رائفل سے دباؤ ڈالا تو مبین کو پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ ایک اجنبی کو اپنے بیڈروم میں آتے دیکھ کر رخسانہ نے برہم ہو کر چیخ ماری اور خود کو جلدی سے کمبل میں چھپا لیا۔ اس نے نائٹی پہن رکھی تھی۔

''کون ہو تم؟'' اس نے غصے سے کہا۔

''اپنی بیوی کو چپ کراؤ۔'' اس نے مبین سے کہا۔

''بہت مشکل کام ہے میں آج تک کامیاب نہیں

UrduPhoto.com

ہوسکا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"اگر میں نے یہ کام کیا تو یہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوجائے گی۔"

اس بار رخسانہ بھی خوف زدہ ہوگئی تھی "کک کون ہو تم؟"

"میں جو بھی ہوں۔" اس نے رائفل لہرائی "مگر اب یہاں وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں، کیا کوئی اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں۔" مبین جلدی سے بولا۔

"خوب، اب تم اٹھو اور اپنے سارے مسافروں کو ڈائننگ ہال میں لے آؤ۔" وہ جاتے ہوئے بولا۔ دروازے پر ایک لمحے کو رکا۔ "یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمارے پاس ایسے بہت سارے ہتھیار ہیں۔ اگر تمہارے پاس کہیں کوئی ننھا منا سا ہتھیار چھپا ہے تو اسے نکالنے کی کوشش مت کرنا۔"

اس کے جانے کے بعد رخسانہ نے جلدی سے بستر سے نکل کر کپڑے پہننا شروع کردیے اور سرگوشی میں مبین سے بولی "یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"مجھے یہ جیل سے بھاگے ہوئے لگ رہے ہیں۔ اس شخص کا لباس دیکھا تھا۔" مبین نے سوئٹر پہنتے ہوئے کہا "بالکل قیدیوں کا سا تھا۔ آؤ باہر چل کر دیکھتے ہیں۔"

اس وقت ان کا ڈائننگ ہال کسی چھوٹے موٹے اسلحہ خانے کا منظر پیش کررہا تھا۔ انہوں نے پولیس سے نکالا جانے والا سارا اسلحہ میزوں پر سجا رکھا تھا۔ رخسانہ نے انسانوں سے زیادہ انہیں خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور مبین کے پیچھے ہوگئی۔ جو اپنے کمرے میں آنے والے سے یہ کہہ رہا تھا۔

"کیا تم کچھ بتاؤ گے کہ یہ سب کیا ہے؟"

"صرف اتنا کہ اب تم لوگوں کی زندگی اور موت کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا ہے۔ کوئی ایسی حرکت مت کرنا کہ یہ فاصلہ بالکل ختم ہوجائے۔"

"کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ ہمیں اپنی اور اپنے گاہکوں کی زندگی عزیز ہے۔"

"ہوٹل میں کتنے آدمی ہیں۔" زرک جان نے مبین کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"بارہ آدمی ہیں۔ اوپر کے کمروں میں ہیں۔"

"تم جاکر انہیں بھی نیچے لے آؤ۔ شیر گل تم اس کے ساتھ جاؤ، کوئی بھی گڑبڑ کرے اسے اڑا دینا۔"

"خدا کے لیے۔" مبین گھبرا گیا تھا "کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ یہ سب شریف لوگ ہیں۔"

وہ شیر گل کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

دروازہ بجانے پر مقصود نے آنکھ کھول کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت کون آگیا۔ اس نے سوچا۔ دروازہ اس انداز سے بجا تھا کہ ثمینہ کی آنکھ بھی کھل گئی تھی "یہ کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ شاید کوئی بچہ ہے۔" مقصود نے اٹھتے ہوئے کہا مگر اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ہوٹل کا مالک کھڑا تھا۔

"مسٹر مقصود آئی ایم سوری..... لیکن ایک مسئلہ ہوگیا ہے۔ پلیز آپ سب نیچے ڈائننگ ہال میں آجائیں۔"

"ایسی کیا بات ہوگئی۔"

"سوال مت کرو۔" مبین کے ساتھ آنے والا شیر گل غرایا اور اپنی رائفل کی نمائش کرتے ہوئے انہیں دس منٹ کے اندر نیچے ہال میں پہنچنے کا حکم دیا۔ مقصود واپس آیا۔ اس نے ثمینہ کو صورت حال بتائی اور بولا "مجھے لگتا ہے کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ وہ شخص مسلح تھا اور اس نے جیل کے قیدیوں والی وردی پہن رکھی ہے۔ تم جلدی سے لباس بدلو میں بچوں کو دیکھتا ہوں۔" وہ باہر نکلا اس نے بچوں کے کمرے کا دروازہ بجایا اس وقت مبین کرمانی صاحب سے بحث کررہا تھا جو نصف رات کے وقت گرم بستر سے نکل کر نیچے ڈائننگ ہال میں آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کئی بار دروازہ بجانے پر رمیض نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا "پاپا آپ....."

مقصود اندر داخل ہوا اور پھر ثنا کو غائب دیکھ کر اچھل پڑا تھا "ثنا کہاں ہے؟"

"پتا نہیں پاپا..... باتھ روم میں ہوگی۔" رمیض نے جماہی لیتے ہوئے کہا لیکن ثنا کو باتھ روم میں بھی نہ پاکر اس کی بھی نیند اڑ گئی تھی۔ فیض بھی ثنا سے بے خبر تھا۔ نہ جانے کہاں تھی۔ مقصود تیزی سے مبین کے پاس پہنچا۔

"سنو میری بیٹی کہاں ہے؟"

مبین نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیا وہ کمرے میں نہیں ہے۔"

"نہیں..... اس شخص سے پوچھو۔"

مبین نے نفی میں سر ہلایا "میں نیچے سے آرہا ہوں۔ وہاں اس کے درجن بھر ساتھی ہیں لیکن آپ کی بیٹی کہیں نہیں ہے۔ یہ لوگ بھی ابھی آئے ہیں۔"

"سنو میری بیٹی کو کچھ ہوا تو....."

"اے۔" شیر گل مڑا اور مسز کرمانی کو تیار کرکے پلٹ آیا تھا "تم ابھی تک یہیں ہو۔" اس کے تیور خطرناک ہوگئے تھے۔ شیر گل صاف سر اور بڑی بڑی مونچھوں والا گرانڈیل سا شخص تھا

طرح لاک کر دیا۔

واپس آ کر اس نے اپنی جیکٹ پہنی پھر اسے خیال آیا کہ وہ رقم تو بھول ہی گیا ہے۔ اس نے باہر جھانکا اور یہ دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا مبین اور وہ شخص ایک لڑکے کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ اسے جھانکتے دیکھ کر شیر گل غرایا ''تم اب تک یہیں ہو۔''

بادلِ ناخواستہ وہ باہر آیا۔ اس اثنا میں گل اور سعد بھی باہر آ گئے۔ وہ سب نیچے پہنچے جہاں مقصود، ثمینہ اور بچے پہلے ہی موجود تھے۔ مقصود ثنا کے بارے میں پریشان تھا۔ شیر گل نے زرک جان سے کہا ''ایک لڑکا اور ایک لڑکی غائب ہے۔''

''کیا مطلب؟'' زرک جان بولا۔

''مطلب یہ کہ اپنے کمروں میں نہیں ہیں اور اوپری منزلوں کے باقی کمرے لاک ہیں۔''

''انہیں تلاش کرو۔ وہ کہیں چھپ گئے ہوں گے۔'' زرک جان بولا تو مقصود نے سکون کا سانس لیا تھا ثنا ان کے پاس نہیں تھی۔ شاید وہ کسی وجہ سے کمرے سے نکلی تھی اور کہیں چھپ گئی تھی۔

''کوئی اور بھی چکر ہو سکتا ہے لڑکی سولہ سال کی ہے اور لڑکا اس کا ہم عمر ہے۔'' شیر گل نے عادل کی طرف اشارہ کیا۔

''ذلیل آدمی۔'' مقصود اس کی طرف بڑھا تو ثمینہ اس سے لپٹ گئی۔ شیر گل کے چہرے پر چیلنج تھا۔

''نہیں..... نہیں۔'' ثمینہ ہذیانی لہجے میں بولی تو مقصود کو ہوش آ گیا تھا...

مقصود نے گہری سانس لی اور پیچھے ہٹ گیا۔ زرک جان نے کہا ''تلاش کرو انہیں۔ ایک ایک کمرے میں دیکھو۔ کوئی جگہ بچے نہیں۔'' دو افراد کے غائب ہونے کا سن کر اس کے چہرے پر فکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس وقت وہاں موجود ہر فرد کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ وہ دونوں کہاں تھے؟

☆☆☆

بابر نے ثنا کو کھینچا اور اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ وین کے نیچے تھے۔ آنے والا فرد گاڑیوں کے گرد گھومتے ہوئے ان میں جھانکنے لگا۔ ہوٹل کے سامنے والی لائٹ اس طرح پڑ رہی تھی کہ وہ ساری گاڑیوں کے اندر دیکھ سکتا تھا۔ جب وہ وین میں جھانک رہا تھا تو اس کے جوتے تلے کوئی چیز آئی تھی۔ وہ چونکا۔ اس نے جھک کر چیز اٹھائی۔ ثنا نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ان کی کار کی چابی تھی اس نے بوکھلا کر جیب پر ہاتھ مارا اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ باہر نکلتے اور اندر گھسنے کے دوران میں نہ جانے کس وقت چابی اس کی جیب سے گر گئی تھی۔ اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔ ایک ہی امید کی کرن تھی، اب وہ بھی نہیں رہی تھی۔ آنے والا شخص چابی لے کر وہاں سے چلا گیا۔

''وہ چابی لے گیا۔'' بابر نے کہا تو وہ حیران رہ گئی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا۔''

''میں دیکھ رہا تھا۔'' وہ بولا ''اب باہر نکلو ہمیں کہیں اور چھپنا ہوگا۔ کہیں انہیں گاڑیوں کے نیچے کی تلاش لینے کا خیال بھی نہ آ جائے۔''

ثنا باہر نکلی سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ معمولی سوتی شرٹ میں وہ لرزنے لگی تھی۔ بابر کو بھی سردی لگ رہی تھی لیکن ایک لڑکی کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہوئے اسے شرم آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے عمارت کے دائیں پہلو کی طرف لپکے۔ کیونکہ خنک ہوا بائیں طرف سے چل رہی تھی۔ اس طرف عمارت کا مختصر سا لان بھی تھا اس کے پار ایک چوکور کمرا تھا اس کے روشن دان سے روشنی جھلک رہی تھی۔ ''اس طرف کوئی ہے۔'' ثنا اتنی آواز سے بولی کہ بابر کو اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا تھا۔

''خدا کے لیے ابھی کسی نے سن لیا تو پکڑے جائیں گے۔''

ثنا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ''اے..... مجھے بار بار ہاتھ مت لگاؤ۔''

بابر کمرے کی طرف بڑھا۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ ہوٹل کے ملازم جمعہ خان کی رہائش ہے۔ اندر سے اس کی آواز آئی ''کون اے اس ٹیم؟''

''دروازہ کھولو۔'' بابر نے آہستگی سے پکارا ''ہم مصیبت میں ہیں۔''

جمعہ خان نے دروازہ کھولا اور وہ تیزی سے اندر گھس گئے۔ جمعہ خان نے انگیٹھی جلا رکھی تھی اس میں لکڑیاں جل رہی تھیں اور اندر دھواں بھرا ہوا تھا۔ ثنا کو بے اختیار کھانسی آ گئی۔ جمعہ خان انہیں دیکھ کر ہوش میں آ گیا تھا۔ بابر نے جلدی جلدی اسے ہوٹل میں آنے والے مسلح افراد کے بارے میں بتایا اور بولا ''ہمیں پولیس کو بتانا ہوگا۔''

''پولیس۔'' جمعہ خان سوچ کر بولا ''ان کا ایک چوکی بڑی سڑک پر ہے کوئی پندرہ میل دور۔''

''پندرہ میل۔'' بابر کا دل ڈوب گیا تھا ''یہ تو بہت زیادہ ہے۔''

''اپنا گاڑی پر چلا جاؤ۔''

''احمق اگر ہمارے پاس گاڑی کی چابی ہوتی تو اب تک ہم جا نہ چکے ہوتے۔''

''یہ بی بی آپ کا ساتھ کیسے اے۔'' جمعہ نے غور سے ثنا کو

دیکھا" یہ تو دوسرے صاب کا بیٹی لوگ اے۔"

"میں اپنی گاڑی سے بیگ لینے آئی تھی۔" ثنا نے اسے اپنا ہینڈ بیگ دکھایا۔

"اور میں پیٹرول....." بابر جھونک میں بتانے جا رہا تھا "میرا مطلب ہے گاڑی کا پیٹرول چیک کرنے آیا تھا۔"

"اچھا۔" جمعہ خان نے یقین نہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"یہ بتاؤ کہ ہم کہاں سے مدد لے سکتے ہیں۔ وہ سارے ڈاکو مسلح ہیں۔ خطرناک اسلحے سے....."

جمعہ خان کا رنگ اڑ گیا تھا "ڈاکوائے..... اور کون ان کا مقابلہ کرے گا؟"

"یعنی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" بابر مایوسی سے بولا۔

"سب غریب لوگ ہوتا..... کھانے کو نئیں اے..... بندوک کدر سے لاتا۔"

بابر کی سمجھ میں آیا کہ اس علاقے میں رہنے والا کوئی فرد ان کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پوچھا "یہ بتاؤ کہ بڑی سڑک تک جانے کا کوئی مختصر راستہ ہے؟"

جمعہ خان نے سر ہلایا "اس طرف پہاڑ سے اتر کر جاؤ۔ پھر دوسرا پہاڑ آئے گا۔ بڑا سڑک اس کے بعد اے۔"

"میں نہیں جا سکتی۔" ثنا نے فوراً انکار کر دیا۔ "اتنی سردی میں مجھ میں پہاڑوں پر چڑھنے اترنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"پھر تم یہیں رکو۔" بابر بولا "میں اور جمعہ خان جاتے ہیں۔"

"ام ابھی نئیں جائے گا۔" اس نے بھی انکار کر دیا "اور جنگل میں بھالو اے..... بھیڑیا اے۔ وہ انسان کو کا جاتا۔"

"ادھر زیادہ خطرناک لوگ ہیں۔" بابر نے اسے سمجھایا "وہ تم کو ٹھاہ کر کے گولی مار دے گا۔ تم مر جائے گا۔"

اسی لمحے دروازے پر شدت دے دستک ہوئی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے کسی نے غراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

آدھے گھنٹے کی بھرپور تلاشی کے بعد یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ثنا اور بابر عمارت سے غائب تھے۔ وہ کہیں نہیں تھے۔ ثمینہ نے رونا شروع کر دیا۔ زرک جان کا خیال تھا کہ وہ لوگ کسی طرح عمارت سے نکل گئے تھے مگر مبین نے کہا۔

"ایسا ممکن نہیں ہے۔ عمارت میں آمد و رفت کا یہی ایک دروازہ ہے اور اگر تم لوگوں نے آنے کے بعد اسے اپنی نظر سے اوجھل کیا ہو تو اور بات ہے ورنہ کوئی شخص کسی اور طریقے سے باہر نہیں جا سکتا۔"

"وہ لوگ کسی کھڑکی سے بھی نکل سکتے ہیں۔" زرک جان بولا۔

"نچلی منزل کی ساری کھڑکیوں پر فولادی گرل ہے اور اوپر کی ساری کھڑکیاں اندر سے بند پائی گئی ہیں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

مبین کی بات درست تھی مگر زرک جان کا ذہن دوسرے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ "کوئی انہیں فرار بھی تو کرا سکتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"ممکن ہے لیکن اس صورت میں وہ خود فرار کیوں نہیں ہوا۔ دوسرے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم لوگ نازل..... میرا مطلب ہے ہوٹل آؤ گے۔ اس لیے کسی کو فرار کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ سب پڑے سو رہے تھے۔ تم نے ہمیں اٹھایا اور میں نے باہر جا کر باقیوں کو اٹھایا۔ تمہارا آدمی گواہ ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں وہ باہر ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ۔" شیر گل نے پھر کہا۔

"تم پھر بولے۔" مقصود بولا "آخر تم میری بیٹی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ وہ معصوم ہے۔"

"شیر گل نے پہلا قتل اپنی ماں کا کیا تھا۔ بدچلنی کے شبہے میں۔" سجاد میر آرام سے بولا اسے بھی شیر گل کی بکواس کھل رہی تھی۔ لہٰذا اس نے سوئی چبھو دی..... وہ بری طرح بلبلایا اور اس نے اپنی رائفل سجاد کی طرف کر لی تھی۔

"تم حرام زادے۔"

"شیر۔" زرک جان غرایا "اپنی زبان بند رکھو اور جاؤ۔ ان دونوں کو باہر تلاش کرو۔ اگر وہ اس جگہ سے نکل گئے تو ہمارے لیے مشکل ہو جائے گی۔"

اچانک گارڈ کی وردی والا بولا۔ "اے تم لوگوں کے ہاں ایک ملازم بھی ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہوگا۔" رخسانہ نے بلا سوچے سمجھے کہا تو مبین ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس وقت ان کی واحد امید جمعہ خان تھا وہ باہر تھا اور مدد لا سکتا تھا اس کی احمق بیوی نے اسے بھی پھنسوا دیا تھا۔

"تم نے اب تک بتایا کیوں نہیں اس کے بارے میں۔" زرک جان نے مبین کی طرف دیکھا۔

"وہ..... مجھے خیال نہیں رہا تھا۔" مبین بوکھلا گیا تھا اور دل ہی دل میں رخسانہ کو کوسنے لگا تھا۔

"خیال رکھا کرو۔ اگر تمہاری کوئی بات غلط نکلی نا۔" اس نے اپنی رائفل کو جنبش دی۔ خاصے سرد موسم میں مبین پسینہ پسینہ

UrduPhoto.com

ہو گیا تھا۔ زرک جان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ وہ جا کر جمعہ خان کو لے آئیں۔ وہ باہر نکل گئے۔ مقصود نے اس سے کہا۔

"کیا میں باہر جا سکتا ہوں۔ مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے۔"

"تم سب یہیں بیٹھو گے۔" زرک جان نے رائفل لہرائی "کسی نے جانے کی کوشش کی تو اپنی جان سے جائے گا۔ ہاں تم۔" اس نے رخسانہ کی طرف اشارہ کیا "ہمارے لیے کچھ کھانے کو لاؤ۔"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں ہے۔" رخسانہ نے ہونٹوں پر زبان پھیری "بنانا پڑے گا۔"

"تو بناؤ۔" اس نے حکم دیا۔

رخسانہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے تالا کھولا اور کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہوٹل کھلتے ہی عام مہمانوں کے ساتھ ایسے مہمان بھی نازل ہو جائیں گے۔ اب اسے فون کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ انہوں نے درخواست دے دی تھی لیکن فون لائن دو میل دور ہائی وے سے گزر رہی تھی اس جگہ تک آنے میں اسے کئی مہینے کا عرصہ لگ سکتا تھا۔ کاش اس نے پہلے اس طرف توجہ دی ہوتی۔ بچت کے چکر میں اس نے لائن مین کو رشوت دینے سے انکار کر دیا تھا اور اب تک فون سے محروم تھی۔

☆☆☆

بابر اور ثنا کے ساتھ جمعہ خان کا چہرہ بھی سفید پڑ گیا تھا۔ بابر نے سرگوشی کی "یہ وہی ہیں۔"

"دروازہ کھولو ورنہ ہم اسے توڑ دیں گے۔"

"یہاں سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" ثنا نے گھبرا کر پوچھا۔ ویسے یہ کمرا ایک چوکور ڈبا تھا۔ ایک دروازے اور ایک روشن دان کے سوا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر جمعہ خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"راستہ ہے، اس طرف۔" اس نے اپنے بوسیدہ بستر کی طرف اشارہ کیا۔

بابر نے جھپٹ کر بستر الٹ دیا پھر چارپائی ہٹائی تو دیوار میں ایک سوراخ نظر آیا جسے چار اینٹیں لگا کر بند کیا گیا تھا۔ بابر کراہا "یہ دروازہ ہے۔"

"ہم اس سے نکل سکتے ہیں۔" باہر سے تیز ہوتی ہوئی دستک سے گھبرائی ثنا نے بابر سے کہا۔

بابر اور جمعہ خان نے مل کر اینٹیں ہٹائیں اور جب بابر نے باہر جھانکا تو پہلے تو اسے عجیب سی بو آئی پھر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے سوراخ عین ڈھلان کے اوپر تھا اور یہاں اسے کوئی ہموار سطح نظر نہیں آئی تھی۔

"یہ بو کیسی ہے؟" ثنا نے پوچھا۔

"یہ کمرا گھوڑے کے واسطے تھا۔" جمعہ خان شرما کر بولا "اس سوراخ سے ان کا سارا گند ادر گر جاتا تھا۔"

"اور اب تم چاہتے ہو ہم اس طرف گر جائیں....." بابر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"فیران کے پاس چلا جاؤ۔" جمعہ خان نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ثنا نے باہر دیکھا تو اسے بھی خوف محسوس ہوا لیکن وہ اس راستے سے نکلنے کے لیے تیار تھی۔

"میں جاؤں گی۔" اس نے ہمت کر کے کہا "تم میرا ہاتھ پکڑ کر اتارو۔ اس طرف ڈھلان ہے۔"

بابر نے اسے الٹے رخ سے سوراخ سے اترنے میں مدد دی۔ اس کا نصف دھڑ باہر غائب ہو گیا۔ اب باہر سے دروازہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ "مجھے چھوڑ دو۔" ثنا نے باہر سے دبی آواز میں کہا "خود بھی آ جاؤ۔"

ثنا کے غائب ہوتے ہی بابر نے خود بھی اس طرح الٹے ہو کر باہر نکلنا چاہا۔ اسی لمحے دروازہ چرچرایا۔ وہ کسی قدر دقت سے باہر نکل گیا۔ اس وقت وہ ڈھلان پر تھے یہاں چھوٹے چھوٹے پودے اور جھاڑیاں اگی تھیں۔ ثنا انہیں پکڑ کر نیچے جا رہی تھی۔ اس کے فوراً بعد جمعہ خان نکل آیا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا اور لگ یہی رہا تھا کہ اوپر آنے والوں کو گالیاں دے رہا تھا۔ وہ پندرہ بیس گز نیچے گئے ہوں گے کہ دروازہ ٹوٹ گیا۔ شیر گل اور دو افراد اندر گھس آئے۔ سوراخ پر نظر پڑتے ہی وہ باہر کی طرف بھاگے۔ کمرا ڈھلان کے سرے پر تھا۔ انہوں نے نیچے جھانکا اور ان تینوں کو اترتے دیکھ کر شیر گل چلایا "واپس آؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

اس کے ایک آدمی نے اس کی دھمکی کو حقیقت سمجھ کر رائفل سیدھی کر لی۔ وہ بالکل سامنے تھے اور رائفل کی رینج دو سو گز سے زیادہ تھی۔ بابر نے اس بات کو محسوس کرتے ہی ہاتھ چھوڑ دیے اور نیچے جاتے ہوئے ثنا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ دونوں ہی برق رفتاری سے ڈھلان پر لڑھکنے لگے۔ ثنا کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ شیر گل کے ساتھی نے فائر کرنا چاہا... مگر اس نے روک دیا "احمق ان پہاڑوں پر آواز گونجے گی۔ کوئی پولیس پارٹی گشت کر رہی ہوئی تو سیدھی یہاں آئے گی۔ فائر بالکل نہیں کرنا۔"

"پھر کیا کریں؟" اس کے ساتھی نے پوچھا۔

"ان کے پیچھے، انہیں پکڑو۔" اس نے ساتھی کو ڈھلان سے نیچے دھکیل دیا "بھاگنے نہ پائیں۔ تم بھی جاؤ۔" اس نے

UrduPhoto.com

دوسرے کو بھی دھکیل دیا۔ وہ دونوں نیچے اترنے لگے..... جمعہ خان ان ہی پہاڑوں کا باشندہ تھا اسے لڑھکنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ فوراً تیزی سے اترتا چلا گیا۔ اس کے برعکس شیر گل کے ان ساتھیوں کو سنبھل سنبھل کر اترنا پڑ رہا تھا۔ ان کے پاس وزنی رائفلیں بھی تھیں۔ دونوں پرانے ساتھی تھے اصل نام تو کچھ اور تھے مگر لال خان اور گورا خان کے نام سے مشہور تھے۔

☆☆☆

رخسانہ کھانا بناتے ہوئے ان لوگوں سے نجات کی ترکیب سوچ رہی تھی۔ ایک ترکیب تو یہ تھی کہ ان کے کھانے میں چوہے مار زہر ملا دیتی لیکن اول تو یہ بات مشکوک تھی کہ وہ چوہے مار زہر سے مر جائیں گے۔ دوسرے وہ مر بھی جاتے تو فوراً نہ مرتے زہر کے اثرات ذرا دیر میں ظاہر ہوتے اور وہ مرتے مرتے بھی انہیں مار جاتے۔ تیسرے وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ ایک ڈاکو اس پر مسلط تھا۔ وہ حریصانہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ریش نامی اس قیدی کو یہ عورت دلکش لگ رہی تھی حالانکہ وہ چالیس کی ہو چکی تھی لیکن خود کو سنبھال کر رکھا تھا۔ تنگ سے سوئٹر میں اس کا بھرپور بدن نمایاں تھا۔ رخسانہ کو اس کی نگاہوں سے خوف آ رہا تھا۔

''تم باہر نہیں جا سکتے۔'' اس نے ناگواری سے اس وحشی نظر آنے والے شخص کو دیکھا اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور اس کی موٹی گردن جیسے شانوں میں دھنس رہی تھی۔ صورت سے وہ گوریلا نظر آ رہا تھا۔

''ام کو استاد نے ادر لگایا اے۔'' وہ دانت نکال کر بولا پھر حریصانہ انداز میں اس کا جائزہ لیا ''تم بوت خوب صورت عورت اے۔''

پہلے تو رخسانہ جھنجلائی پھر اسے خیال آیا اس چیز سے کیوں نہ فائدہ اٹھائے۔ گیسٹ ہاؤس میں اسے اس کا تجربہ تھا۔ وہ کاؤنٹر پر خود کھڑی ہوتی تھی مرد اس سے ڈسکاؤنٹ کراتے ہوئے جھجکا کرتے تھے۔ اس نے مسکرا کر ریش خان کی طرف دیکھا۔

''کیا تم لوگ دور سے آ رہے ہو؟''

ریش خان ریشہ خطمی ہو گیا.... اس نے فوراً جواب دیا ''ہمیں ام جیل کی گاڑی سے باگا اے۔ ام کو دوسرا جیل لے جایا جا رہا تھا۔''

''یہ لال آنکھوں والا تمہارا سردار ہے۔''

''ہاں زرک جان امارا سردار اے۔ بوت خطرناک آدمی اے۔ دس قتل کر چکا اے۔''

رخسانہ لرز گئی پھر مسکرا کر بولی ''تم کیوں جیل گیا تھا؟''

''ام نے ایک عورت کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے امارا بات ماننے سے انکار کیا تھا۔''

اس بار رخسانہ زیادہ لرزی تھی۔ ''عورت ماردی..... پر کیوں؟''

''ام اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پر وہ نہیں مانا..... ام نے خنجر سے اس کا گردن الگ کر دیا۔''

رخسانہ نے بہ مشکل باورچی خانے سے نکل بھاگنے کی اپنی خواہش پر قابو پایا۔ یہ سوچ کر اس کی روح فنا ہو رہی تھی کہ اس وقت وہ ایک قاتل کے ساتھ ہے جس نے ایک عورت کو اتنی سی بات پر قتل کر دیا تھا کہ وہ اس سے شادی پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جلدی جلدی ہاتھ چلانا شروع کر دیا۔ ریش خان اسے للچائی نظروں سے ضرور دیکھ رہا تھا لیکن اس نے رخسانہ کے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کی پھر مبین آ گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ مبین اس کا ہاتھ بٹانے آیا تھا۔ ان لوگوں کو بھوک لگ رہی تھی۔

باہر شیر گل زرک جان کو بتا رہا تھا ''وہ تینوں نیچے ڈھلان پر اتر گئے ہیں۔ میں نے لال خان اور گورا خان کو ان کے پیچھے بھیج دیا ہے۔''

زرک جان کا چہرہ سرخ ہو گیا ''تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ فرار ہو گئے اور تم دیکھتے رہے؟''

''ہمیں کیا پتا تھا کہ اس کمرے کے پیچھے بھی نکلنے کا راستہ ہے۔ اس طرف ڈھلان ہے کوئی وہاں راستہ نکالنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ فکر نہ کریں وہ جلد پکڑے جائیں گے۔''

وہ سب ڈائننگ ہال کی میزوں پر بیٹھے تھے۔ اس وقت یہاں خوش گوار حرارت تھی۔ مقصود اور ثمینہ ان لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں اطمینان ہوا کہ ان کی بیٹی ان وحشی نظر آنے والوں کی پہنچ سے باہر ہے۔ مقصود محسوس کر رہا تھا کہ یہ قیدی عورتوں کو گرسنہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مگر فی الوقت انہوں نے کسی عورت کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ مستقبل میں بھی ایسا نہیں کریں گے۔ ابھی وہ پریشان تھے، تھکے ہارے اور بھوکے پیاسے ہونے کے ساتھ دوبارہ پکڑے جانے کے خوف میں بھی مبتلا تھے۔ اس لیے کسی حرکت سے گریز کر رہے تھے مگر جب انہیں اطمینان ہو جاتا تو وہ لازماً عورتوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ مقصود دل میں دعا کر رہا تھا کہ اس کی بیٹی اور دونوں .. ان کے ہاتھ نہ آئیں۔ وہ آزاد رہتے تو پولیس یا ملیشیا تک جا سکتے تھے۔ ان کی آزادی کی واحد امید یہی تھی۔ ڈائننگ ہال کا عقبی حصہ

UrduPhoto.com

طان کی طرف تھا۔ اس کی کھڑکیوں سے نیچے دور تک دیکھا سکتا تھا۔ زرک جان ایک کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہا

"نیچے کوئی نظر نہیں آ رہا۔" زرک جان نے کہا۔

"یہاں گہرائی ایک ہزار فٹ ہے۔" مقصود نے اسے بتایا "یہ بات مجھے مبین نے بتائی ہے۔ اس ہوٹل کے مالک ہے۔"

زرک جان تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا پھر بولا "فکر نہ کرو برے ساتھی تمہاری بیٹی کو کہیں سے بھی پکڑ لائیں گے۔"

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" کرمانی صاحب نے پہلی بار زبان کھولی "مجھے تم لوگ جیل سے بھاگے ہوئے لگتے ہو۔"

"تمہارا خیال درست ہے موٹے۔" زرک جان کا انداز مذاق اڑانے والا تھا "اب سے تھوڑی دیر پہلے ہم نے جیل کی گاڑی کے گارڈز پر قابو پایا تھا اور ہم کچھ عرصے یہاں رہنا چاہتے ہیں۔"

"گارڈز کا کیا ہوا؟" کرمانی صاحب بولے "شاید تم نے ان سب کو مار دیا۔"

زرک جان نے سر ہلایا "ہاں تمہارا خیال درست ہے ان سب کی لاشیں اس وقت ایک گہری کھائی میں پڑی ہیں جہاں سے وہ قیامت سے پہلے دریافت نہیں ہو سکیں گے۔"

ان لوگوں کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔ کرمانی صاحب نے پھر کہا "اسے کیوں چھوڑ دیا۔" ان کا اشارہ گارڈ کی وردی پہنے شخص کی طرف تھا۔

"یہ ہمارا آدمی ہے۔"

☆☆☆

مقامی ملیشیا کا لیفٹیننٹ اکرم شاہ اس وقت ڈیوٹی پر تھا جب وائرلیس آپریٹر نے اسے ہیڈ کوارٹر کا پیغام دیا۔ ان کے علاقے میں ہائی وے کے بائیسویں سنگِ میل پر جیل کے قیدیوں نے بغاوت کر کے پولیس گارڈز کو مار دیا تھا اور ان کی وردیں لے کر مفرور تھے۔ چھ پولیس والوں کی لاشیں ایک کھائی سے مل گئی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت نیچے ایک دستہ گشت پر تھا۔ لاشیں اس نے ہی دریافت کی تھیں۔ اس واقعے نے ہلچل مچا دی تھی۔ ملیشیا کی یہ چوکی ہائی وے سے ذرا فاصلے پر مقامی قبائل کے علاقے میں تھی۔ ہائی وے کا علاقہ صوبائی پولیس کے زیرِ کنٹرول تھا۔ لیفٹیننٹ اکرم شاہ سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں فرار ہونے والے قیدیوں پر نظر رکھے۔ وہ سب خطرناک قاتل اور دہشت گرد تھے۔

اکرم شاہ نے اپنے نائب صوبے دار میجر زوار شاہ کو طلب کیا۔ اس کا تعلق اکرم شاہ کے خاندان سے ہی تھا۔ اس نے اسے پیغام کے بارے میں بتایا اور پوچھا "علاقے میں ہمارے کتنے آدمی ہیں؟"

"بارہ آدمی گشت پر ہیں۔ چھ چوکی میں ہیں۔" زوار شاہ نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"گشت کرنے والوں کو یہ پیغام فارورڈ کرا دو اور چوکی پر آدمیوں کو چوکنا کر دو۔ میں سیف اللہ کے پاس جا رہا ہوں۔ شاید ان قیدیوں کی تلاش میں وہ مدد کر سکے۔"

ملیشیا کی یہ چوکی کوہسار ہوٹل سے کوئی بائیس میل کے فاصلے پر تھی۔ درمیان میں پہاڑ اور جنگل آتے تھے۔ اکرم شاہ کو ان قبائلیوں کا خاصا تجربہ تھا۔ آرمی سے ان کی خدمات ایک سال کے لیے لی گئی تھیں۔ وہ اس علاقے کا رہنے والا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی اس کی تعیناتی کی۔ سیف اللہ مقامی قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے گرم جوشی سے گھر سے باہر آ کر اکرم شاہ کا استقبال کیا اور اس کا گھوڑا اپنے ملازم کے حوالے کر دیا "اور شاہ صاحب کیسے یاد کیا؟"

"ایک ہنگامی پیغام آیا تھا۔" اکرم شاہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

سردار سیف اللہ نے اسے آتش دان کے سامنے بٹھایا اور قہوے کا کپ دیتے ہوئے اس کے سامنے میوے کی طشتری رکھ دی۔ میوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اکرم شاہ نے اسے گیارہ خطرناک قیدیوں کے بارے میں بتایا۔ "انہوں نے چھ پولیس والے قتل کر دیے ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر دیں۔ اگر وہ اس علاقے میں ہوں تو ان سے ہوشیار رہنا ضروری ہے۔"

سیف اللہ متفکر ہو گیا تھا۔ اپنے علاقے میں خطرناک مجرموں کے موجود ہونے کا مطلب تھا پولیٹیکل حکام کی مداخلت اور وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ان کے قبیلے کی اپنی روایات تھیں۔ آزاد رہنا ان کی فطرت تھی۔ انہوں نے انگریزوں کی غلامی قبول نہیں کی تھی پھر ملک بنا تو یہ ان کی اپنی حکومت تھی لیکن اس کا اثر بھی انہوں نے کم سے کم قبول کیا تھا۔ اکثر و بیشتر معاملات میں وہ خود مختار تھے۔ اس نے جواب دیا "شاہ صاحب آپ فکر نہ کریں۔ میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو لگا دیتا ہوں۔ وہ علاقے میں آنے والے کسی بھی فرد پر کڑی نظر رکھیں گے۔"

"اور کسی کو پناہ بھی نہیں دیں گے۔" اکرم شاہ نے کام کی بات کر دی۔ "خاص طور سے حکومت کے مجرموں کو۔ اس صورت میں بلاوجہ کی بدمزگی ہو گی۔"

UrduPhoto.com

''پناہ دینا ہماری روایت ہے۔'' سیف اللہ نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن اسے جو اس کا مستحق ہو۔ یہ لوگ قاتل اور دہشت گرد ہیں۔ انہیں پناہ دینے کا مطلب حکومت سے ٹکر لینا ہوگا۔ حکومت خود بھی آپ کے معاملات میں کم سے کم مداخلت چاہتی ہے لیکن سرکاری آدمیوں کے قاتلوں کو کسی صورت معاف نہیں کیا جاسکتا۔''

بات سردار سیف اللہ کی سمجھ میں آ گئی ''آپ بے فکر رہیں۔ میرے قبیلے کا کوئی فرد انہیں پناہ نہیں دے گا بلکہ انہیں گرفتار کرنے میں مدد دی جائے گی۔''

''شکریہ سردار صاحب۔'' اکرم شاہ خوش ہوگیا۔ پہلا مرحلہ طے ہوگیا تھا۔ ''اب میں آپ سے درخواست کروں گا کہ مجھے قبیلے کے کچھ جوان دیے جائیں۔ میرے پاس نفری کم ہے۔''

''دو گھنٹے کے اندر ایک درجن مسلح جوان آپ کی چوکی پر پہنچ جائیں گے۔''

''تب مجھے اجازت۔ کام بہت ہے۔ ممکن ہے کوئی نیا کام آ گیا ہو۔'' اکرم شاہ نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

ثنا کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ جھاڑیوں سے الجھتے اور قلابازیاں کھاتے وہ اور بابر تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ پھر اس کے حلق سے طویل چیخ نکلی۔ وہ کسی خلا میں گر رہی تھی اس لمحے اس کے جسم کو شدید جھٹکا لگا۔ وہ ایک ہاتھ کے بل کسی خلا میں لٹکی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے نیچے دیکھا۔ زمین اس کے پیروں سے کم سے کم بھی تیس فٹ نیچے تھی۔ اس کا خون خشک ہوگیا۔ اتنی بلندی سے گرنے کا مطلب تھا ہڈی پسلی ایک ہوجانا۔ اس کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔ اوپر سے بابر کی آواز آئی ''دوسرے ہاتھ سے بھی میرا ہاتھ پکڑ لو۔''

ثنا نے جلدی سے دوسرے ہاتھ سے بھی اسے تھام لیا۔ یہ کنارہ تھا۔ بابر پشت کے بل لیٹا تھا۔ اس نے پہلے ہی ڈھلان کا یہ کنارہ دیکھ لیا تھا لیکن ثنا کو گرنے سے نہیں روک سکا۔ اس کا ہاتھ اتفاقاً ہی اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

''مجھے اوپر کر دو پلیز۔'' ثنا نے لرزتی آواز میں کہا۔

''چپ رہو، جمعہ خان کو نیچے آنے دو۔ میں خود کنارے پر لیٹا ہوں۔ ذرا سا بھی اٹھا تو تمہارے ساتھ نیچے جا گروں گا۔ خدایا تم اتنی وزنی کیوں ہو۔ لڑکیاں تو پھول کی طرح ہلکی ہوتی ہیں۔''

''میں کوئی موٹی نہیں ہوں۔'' اس نے اس حالت میں بھی یہی کہا۔

بابر سخت مشکل میں تھا۔ وہ کنارے سے چند انچ دور تھا اور کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ اسے جمعہ خان کا انتظار تھا اور وہ اسے آواز دیتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔ نیچے آنے کے دوران میں اس نے دو افراد کو اوپر سے آتے دیکھ لیا تھا۔ یہ یقیناً وہی لوگ تھے۔ آخر اس نے آہستہ سے جمعہ خان کو آواز دی۔ تیسری چوتھی آواز پر اس کا جواب آیا ''ام آتا اے۔''

''جلدی آؤ ورنہ ہم دونوں ہی کھائی میں ..... گر جائیں گے۔''

جمعہ خان جھاڑیوں سے برآمد ہوا۔ اس نے دونوں کا جائزہ لیا۔ پھر جھک کر ثنا کا ایک ہاتھ تھام لیا۔ اس سے بابر کو موقع ملا کہ وہ سیدھا ہو سکے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے بہ آسانی ثنا کو اوپر اٹھا لیا۔ اس کی جان میں جان آئی تھی پھر اس نے اپنا جائزہ لیا۔ اوپر سے گرتے ہوئے جھاڑیوں سے اسے خراشیں آئی تھیں لیکن کوئی گہرا زخم نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ہڈی ٹوٹی تھی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر سہم گئی کہ اس کی شرٹ ایک دو جگہ سے پھٹ گئی تھی اس نے جلدی سے ان حصوں کو چھپا لیا۔ بابر اور جمعہ خان اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بابر نے کہا ''اس سے پہلے وہ آئیں ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''اس طرف سے آؤ۔'' جمعہ خان نے ایک سمت اشارہ کیا۔ اس لمحے اوپر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی تو وہ بے اختیار جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ لال خان اور گورا خان بہ مشکل نیچے اترے تھے۔ ایک مرتبہ لال خان گرا تھا اور دو مرتبہ گورا خان لڑھکا تھا۔ اس وقت دونوں ہی فرار ہونے والوں، اپنے ساتھیوں اور خود ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔

''ام مر جائے گا۔ بالکل مر جائے گا کسی کڈ میں گر کر۔'' لال خان نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''اللہ کرے۔'' گورا خان نے جواب دیا ''کم سے کم تم سے تو جان چھوٹے گا۔''

''اب ام خدائی خواروں کو کدر تلاش کرے۔'' لال خان نے ایک جھاڑی میں جھانکا اور اچھل کر پیچھے ہٹا اس میں سے ایک خرگوش نکل کر بھاگا تھا۔

''تم اپنا منہ بند رکو۔'' گورا خان نے اسے لتاڑا ''وہ تمہارا آواز سن لے گا۔''

ان کی آواز آنا بند ہوئی تو ثنا بابر اور جمعہ خان متفکر ہوگئے تھے۔ اب وہ انہیں خاموشی سے تلاش کر رہے تھے۔ آواز پیدا ہونے کے خوف سے وہ آہستہ آہستہ بھاگ رہے تھے۔ اس کے باوجود ان کے پیروں تلے آ کر پتھر لڑھک رہے تھے۔ وہ

UrduPhoto.com

اس وقت دو پہاڑیوں کے درمیانی حصے میں تھے۔ اتنی بھاگ دوڑ سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ سردی کا احساس زائل ہو گیا تھا

''ادر جانا اے۔'' جمعہ خان نے پہاڑ کی چوٹی کی طرف اشارہ کیا'' اور ایک قبیلہ اے وہ ام کو پناہ دے گا۔''

''ہرگز نہیں۔'' پہاڑ کی بلندی دیکھ کر ثنا کی جان نکل گئی تھی ''میں اس پر نہیں چڑھ سکتی۔''

''ہمت کرو۔'' بابر نے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''میں تمہیں سہارا دوں گا۔ ان سے بچنے کے لیے کسی پناہ گاہ تک پہنچنا ضروری ہے پھر ان لوگوں کی بھی مدد کرنا ہے جو ہوٹل میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے'' ثنا نے جواب دیا۔ اس نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے بارے میں سوچا جو سفاک لوگوں کے قبضے میں تھے تو اس کے اندر ہمت ابھر آئی'' میں چڑھوں گی۔''

☆☆☆

سجاد اور اس کے ساتھی کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اب ڈاکوؤں پر نیند سوار تھی۔ زرک جان ان لوگوں کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا تھا۔ شیر گل نے مشورہ دیا'' ان سب کو تہ خانے میں بند کر دیتے ہیں۔ وہاں سے یہ نہیں نکل سکیں گے۔''

زرک جان کو اس کی تجویز معقول لگی تھی۔ تہ خانے میں بند کرنے کی صورت میں وہ سب اطمینان سے سو سکتے تھے ان کا ایک آدمی بھی پہرا دے سکتا تھا۔ صبح ان لوگوں کے بارے میں بہتر فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔ فرار ہونے والوں کے بارے میں اسے اطمینان تھا کہ وہ لال خان اور گورا خان سے نہیں بچ سکیں گے۔ اتنی بلندی سے گر کر وہ ویسے بھی مارے جا سکتے تھے یا زخمی ہو سکتے تھے۔ اور اگر نہ بھی پکڑے جاتے تب بھی ان کا کسی آبادی تک پہنچنا دشوار تھا۔ زرک جان اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ ہوٹل کے اس عقبی علاقے میں دور تک..... پہاڑ تھے۔ ان پہاڑوں پر گھنے جنگلات تھے جن میں بھیڑیے اور بچھ جیسے درندے پائے جاتے تھے۔ کبھی کبھی شیر اور برفانی چیتے بھی شکار کی تلاش میں اس طرف آ نکلتے تھے۔ تین نوعمر اور ناتجربے کار افراد سے امید نہیں تھی کہ وہ ان پہاڑوں کو عبور کر پائیں گے۔

''ان لوگوں کا کیا کرنا ہے۔'' شیر گل نے باقی پانچ قیدیوں کی طرف دیکھا۔

زرک جان بولا'' ہم ان پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ انہیں بھی تہ خانے میں ڈال دو۔''

''استاد۔'' شیر گل معنی خیز انداز میں مسکرایا'' عورتیں بہت خوب صورت ہیں۔ کیا خیال ہے؟''

''ابھی نہیں..... ابھی ذرا حالات قابو میں آنے دو۔ یہ کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہیں۔'' زرک جان نے جواب دیا تو اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی.... اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا

''ان سب کو تہ خانے میں بند کر دو۔''

''مگر کیوں۔'' مبین نے احتجاج کیا'' وہاں بہت زیادہ سردی ہو گی۔''

''فکر نہیں کرو تم مرے گا نہیں۔'' ریش خان نے انہیں رائفل سے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا'' اتنا خوب صورت عورتوں سے تو تہ خانہ بھی گرم ہو جائے گا۔''

عورتوں کے چہرے اس جملے پر سرخ ہو گئے تھے اور مرد تلملانے لگے تھے لیکن ان کے آگے بے بس تھے۔ شیر گل پہلے ہی تہ خانے کی تلاشی لے چکا تھا۔ وہاں سے فرار کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی شے تھی جو وہ لوگ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے۔ سوائے ایندھن کی لکڑیوں کے۔ تہ خانے میں مرکزی حرارت خانہ نصب تھا۔ اس میں گرم ہوا مہیا کرنے والے پائپ تھے جن کی مدد سے پوری عمارت کو گرم رکھا جا سکتا تھا۔ انگریزوں کے زمانے کا یہ نظام ابھی تک درست کام کر رہا تھا اور سخت ترین سردی میں بھی عمارت کو خوش گوار حد تک گرم رکھتا تھا۔ مگر تہ خانہ جہاں یہ نظام نصب تھا، وہ بے حد سرد ہو رہا تھا۔ بادلِ ناخواستہ وہ سب ایک ایک کر کے تہ خانے کی سیڑھیوں سے اتر گئے۔ ان کے بعد باقی پانچ قیدیوں کی باری آئی۔ زرک جان نے انہیں بھی جانے کا حکم دیا۔

''پر ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔'' ایک قیدی نے احتجاج کیا۔

''ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔'' زرک جان نے بے رخی سے جواب دیا'' اندر جاؤ۔''

سب سے پہلے سجاد اندر گیا۔ اس کے پیچھے باقی چار تھے۔ تہ خانے میں آتے ہی سب سردی سے کانپنے لگے تھے مگر مبین نے اس کا سدباب کر لیا۔ اس نے حرارت کا ایک حصہ کھول دیا اور تہ خانے میں بھی خوش گوار حرارت آنے لگی۔ آگ کو مزید تیز کرنے کے لیے اس نے اندر مزید لکڑیاں ڈالیں۔ سب سردی سے بچنے کے لیے حرارت خانے کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اتنی دیر میں انہیں پہلی بار موقع ملا تھا کہ آزادی سے تبادلۂ خیال کر سکیں۔ مسز کرمانی نے شوہر سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے۔ یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟''

''اچھا نہیں کریں گے۔'' کرمانی صاحب نے بے لاگ

UrduPhoto.com

تبصرہ کیا ''یہ سب قاتل اور خونی لوگ ہیں۔ پہلے ہی سات پولیس والے مار چکے ہیں۔ ان کے لیے مزید قتل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اگر انہیں ہم سے خطرہ ہوا تو یہ ہمیں بھی مار دیں گے مگر ابھی نہیں۔''

''ابھی کیوں نہیں۔'' مسز کرمانی نے اعتراض کیا۔

''ابھی انہیں باقی تین افراد کی تلاش ہے اگر وہ کسی طرح پولیس تک جا پہنچے تو پھر ہم یرغمال ہوں گے۔ اس سے پہلے یہ ہمیں مارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے.....''

مقصود نے کرمانی صاحب کے تجزیے سے اتفاق کیا۔ وہ تجربہ کار آدمی تھے لیکن باقی لوگ بے حد خوف زدہ ہو گئے تھے۔ سجاد بھی متفق تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کی بربریت دیکھی تھی۔ مبین کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔ سجاد مقصود کے پاس چلا آیا۔ ''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہمارے پاس ابھی چند گھنٹے کی مہلت ہے۔ لیکن وہ پکڑے گئے تو مہلت ختم ہو جائے گی۔ سب مردوں کو مار دیں گے۔''

''صرف مردوں کو کیوں؟'' مقصود نے بے اختیار پوچھا۔

''عورتوں کو وہ بعد میں ماریں گے۔'' سجاد نے آہستہ سے کہا۔ مقصود اس کا مطلب سمجھ کر لرز گیا تھا۔

''خدا نہ کرے۔'' اس نے کہا۔

''ہمیں اس مہلت سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔'' سجاد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اگر آپ اپنی عورتوں کو ان سے بچانا چاہتے ہو۔''

''ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' مقصود کے لہجے میں بے بسی تھی ''ہم یہاں قید ہیں۔ آگے کا بھی پتا نہیں ہے۔ چھ مسلح افراد کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟''

''چار افراد۔'' سجاد نے تصحیح کی ''ان میں سے دو باہر ہیں۔''

''چلو پانچ ہی سہی۔ ہم اول تو تہ خانے سے نہیں نکل سکتے اور نکل بھی گئے تو خالی ہاتھوں تو ان میں ایک ہی ہم سب کے لیے کافی ہے۔''

پاشا پاس ہی ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ مزید قریب آ گیا۔ ''دوستوں مجھے ربانی کہتے ہیں۔ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔ پانچ افراد سے نمٹنا اتنا مشکل نہیں ہے۔''

سجاد نے اپنا مختصر سا تعارف کرایا ''سب سے پہلے اس تہ خانے میں دیکھیں ممکن ہے کوئی ایسی چیز مل جائے جسے ہم ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکیں۔''

''مشکل ہے۔'' مقصود نے نفی میں سر ہلایا ''یہ لوگ پہلے ہی تلاشی لے چکے ہیں۔ اگر اس میں کوئی چیز تھی بھی تو انہوں نے ہٹا دی ہوگی۔''

''میرا خیال ہے یہ بات مبین بہتر طور پر بتا سکے گا۔'' پاشا نے کہا۔

مبین کے ذہن میں رہ رہ کر کوئی بات آ رہی تھی اس تہ خانے سے متعلق۔ جس کا تعلق ان کی بچت سے ہو سکتا تھا مگر کوشش کے باوجود وہ بات پوری طرح اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ رخسانہ اس کے پاس ہی خاموش کھڑی تھی۔ معاً اس نے اپنا نام سنا۔ وہ چونکا۔ مقصود اسے پکار رہا تھا۔ وہ اس کے پاس چلا آیا۔ ''جناب کہیے۔''

مقصود نے اب تک کی گفتگو کا خلاصہ اسے سنایا۔ مبین نے نفی میں سر ہلایا ''تہ خانے میں اناج اور کھانے پینے کا سامان ہے اور جلانے والی لکڑی ہے۔'' اس نے چاروں طرف بکھری بوریوں اور ایک طرف جمع لکڑیوں کے انبار کی طرف اشارہ کیا۔ یہ لکڑیاں حال ہی میں آئی تھیں اور اگلے دو ہفتے کی ضرورت کے لیے کافی تھیں۔

''لکڑی کیسے کاٹتے ہو؟'' سجاد نے پوچھا تو مبین اچھل پڑا تھا۔

''یہ خیال مجھے آیا ہی نہیں۔ کلہاڑی لکڑیوں کے درمیان ..... رکھی ہے اس وجہ سے انہیں نظر ہی نہیں آئی۔'' اس نے جا کر لکڑیوں کے ذرا نیچے رکھی کلہاڑی نکالی۔ یہ تقریباً ڈھائی فٹ لمبے دستے والی بھاری کلہاڑی تھی۔ اس کا چھ انچ لمبا پھل ہلکی روشنی میں چمک رہا تھا۔ سجاد اور پاشا کلہاڑی دیکھ کر پُرجوش ہو گئے۔ مگر مقصود ابھی بھی مایوس تھا۔

''ہم اس ایک کلہاڑی کی مدد سے کیا کر سکیں گے؟''

''بہت کچھ۔'' سجاد بولا ''اسے ذرا سی کلہاڑی مت سمجھو۔ مشاق ہاتھوں میں ہو تو پلک جھپکنے میں آدمی کی گردن اڑا دیتی ہے۔'' اس نے کلہاڑی کو ہوا میں گھمایا تو شائیں کی آواز آئی تھی۔

''میرا اندازہ ہے اوپر کوئی ایک شخص ہی پہرا دے رہا ہوگا۔'' پاشا بولا ''اگر ہم کسی ترکیب سے اسے تہ خانے میں بلا لیتے ہیں تو اس پر قابو پا سکتے ہیں۔''

''لیکن وہ تہ خانے میں کیوں آنے لگا؟'' مقصود بولا۔

پاشا اور سجاد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے ایک دوسرے کو جانچ لیا تھا اور ایک دوسرے کو پسند بھی کرنے لگے تھے۔ ان کے ذہن میں باہر موجود پہریداروں کو بلانے کے لیے ایک ہی خیال آیا تھا ''عورت۔''

UrduPhoto.com

☆☆☆

بابر ثنا کو کھینچ رہا تھا اور اس کا ہاتھ جمعہ خان نے تھام رکھا تھا۔ وہ ان راستوں پر سفر کرنے کا ماہر تھا۔ بابر بھی ہائی کنگ کر چکا تھا۔ مسئلہ ثنا کا تھا جو اب تک شہر کے سیدھے راستوں پر چلتی آئی تھی۔ اس کے لیے ایک ایک قدم اٹھانا دشوار ہو رہا تھا۔ اگر بابر اسے نہ کھینچ رہا ہوتا تو وہ کب کی بیٹھ چکی ہوتی۔ اس نے ساری زندگی میں اتنی تھکن محسوس نہیں کی تھی۔ اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا لیکن پیچھے آنے والوں کے خوف سے وہ آواز بھی نہیں نکال رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے سسکی نکل جاتی تھی۔

''تم ہماری پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔'' جمعہ خان نے اسے پیش کش کی لیکن اس سے پہلے بابر نے اسے مسترد کر دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے یہ اپنے پیروں پر چل رہی ہے۔''

ثنا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے بابر خود اسے یہی پیش کش کر چکا تھا لیکن ثنا نے اس خوف سے مسترد کر دیا کہ وہ ان خطرناک راستوں پر اس کا بوجھ لے کر نہیں چل سکے گا۔ وہ دونوں ہی لڑھک جائیں گے۔ جمعہ خان کو منع کرتے ہوئے اس کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ ایک جگہ بابر کی ہمت بھی جواب دے گئی اور وہ دھپ سے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ''اب نہیں چلا..... جا..... رہا۔'' اس نے پھولی سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا ''تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟''

''پہاڑ کے اس طرف۔'' جمعہ خان نے اشارہ کیا۔

درختوں کے سائے میں چاند کی ہلکی سی روشنی زمین تک آ رہی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی رات کے چار بج رہے تھے۔

''اس طرف کیا ہے؟''

''اور جنگل کاٹنے والوں نے غار بنائے تھے۔ ام اور پناہ لے سکتا ہے اور جلانے کو لکڑی بھی مل جائے گا اور کھانے کا واسطے بھی۔''

کھانے پر بابر کو یاد آیا کہ اس کا بھوک سے برا حال تھا۔ اس بھاگ دوڑ اور جان بچانے کے خیال میں اس کے ذہن سے بھوک کا لفظ ہی نکل گیا تھا۔ اس نے اشتیاق سے پوچھا ''وہاں کھانے کو کیا ملے گا۔''

''میٹھی روٹی، شہد اور مکھن۔'' جمعہ خان بولا ''اگر بھالو نے چوڑ دیا تو۔''

ثنا درخت کے دوسری طرف ٹیک لگائے اپنی پھٹی شرٹ کی رفو گری کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے راستے میں جھاڑیوں سے کچھ کانٹے توڑ لیے تھے اور انہیں پن کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ تاریکی میں ذرا مشکل سے سہی لیکن اس نے اپنا کام کر لیا تھا۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے رکے تھے لیکن سردی شدت سے ان پر حملہ آور ہوئی تھی۔ رات کا یہ پہر بے حد سرد تھا۔ جب تک چلتے رہے سردی کا اتنا احساس نہیں ہوا تھا لیکن اب ٹھنڈ مزاج پوچھ رہی تھی۔ ویسے بھی وہ بلندی کی طرف جا رہے تھے ''خدا کے لیے اب چلو سردی لگ رہی ہے۔'' ثنا نے کانپتی آواز میں کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے رکنے کے لیے رو رہی تھیں۔'' بابر نے منہ بنا کر کہا۔

ثنا تنک گئی ''کوئی نہیں رو رہی تھی۔ پیر میں کوئی پتھر چبھ جاتا تو سسکی نکل جاتی تھی۔''

''اسی وجہ سے کہہ رہا تھا میری کمر پر چڑھ جاؤ۔'' بابر نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

''نہ بابا مجھے تمہارے ساتھ گرنے کا شوق نہیں ہے۔''

''میں تو تمہارے ساتھ گرنے کے لیے تیار ہوں۔'' بابر کا لہجہ شوخ ہو گیا تھا۔

ثنا کھڑی ہو گئی۔ ''اب اٹھ جاؤ۔ وہ لوگ آ رہے ہوں گے۔''

لال خان اور گورا خان اس وقت ان سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ معاً انہوں نے پتھر لڑھکنے کی آواز سنی۔ اور تیزی سے اس طرف بڑھنے لگے۔ ایک جھاڑی ہل رہی تھی جیسے اس میں کوئی ہو۔ دونوں آہستگی سے بنا آہٹ کیے اس کی طرف بڑھے۔ جھاڑی ہلنے کے ساتھ اس میں سے عجیب سی آواز بھی آ رہی تھی۔ دونوں نے آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور بیک وقت اپنی رائفلوں کی نال سے جھاڑی ہٹائی۔ اس میں سے خرگوش کا ایک جوڑا اچھل کر بھاگا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ دیکھ کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

پاشا کے دل میں رہ رہ کر ساڑھے چار لاکھ کی رقم کا خیال آ رہا تھا۔ ابھی ان لوگوں نے ان کے سامان کی تلاشی نہیں لی تھی۔ مگر کل وہ یہ کام ضرور کرتے۔ اس سے پہلے اسے اپنی رقم پر قبضہ کر لینا تھا۔ اس وقت گل اس کے پاس بیٹھی یہی کہہ رہی تھی۔

''اس رقم کا حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں رہے گا۔''

''میں ان لوگوں کو قائل کر رہا ہوں۔'' پاشا نے آہستہ سے کہا ''سنو کیا تم یہ کام کر سکتی ہو۔ اگر کوئی عورت کہے تو وہ

UrduPhoto.com

شاید دروازہ کھول کر اندر آ جائے۔ ہم اس پر قابو پا سکتے ہیں۔"

"بہت مشکل ہوگا۔ وہ سب ایک سے بڑھ کر ایک چھٹے ہوئے ہیں۔" گل نے منہ بنایا۔

"عورت اگر خوب صورت ہو تو مرد کی ساری بڑائی دھری رہ جاتی ہے۔"

"نہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں ایسا کوئی ڈراما نہیں کر سکتی۔"

اسی دوران میں سجاد دبے قدموں سیڑھیاں چڑھ کر تہ خانے کے دروازے کے رخنوں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ یہ لکڑی کے موٹے اور مضبوط تختوں سے بنا دروازہ تھا۔ اس میں اندر کی جانب بھی کنڈی تھی لیکن اس کا لگانا بے کار ہی تھا۔ تہ خانہ کوئی چالیس فٹ لمبا اور تیس فٹ چوڑا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ پتھر سے بنی سیڑھیاں تھیں۔ چھت پتھر کی بیم پر قائم تھی جسے وسط سے چار ستون سہارا دیے ہوئے تھے۔ اچانک سجاد کی توجہ سیڑھیوں کے ساتھ بنی کارنس پر مبذول ہوگئی۔ یہ دروازے کے بالکل ساتھ تھی۔ آٹھ انچ چوڑی اس کارنس پر کوئی آدمی آسانی سے کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آنے لگا۔ وہ نیچے پاشا کے پاس آیا۔ "اگر ہم اس کارنس کو استعمال کریں۔"

پاشا اس کی بات سمجھ گیا "لیکن کسی کو اندر کیسے بلائیں گے۔"

"وہی عورت والا حربہ..... باہر سرخ داڑھی والا ٹہل رہا ہے۔"

رخسانہ یہ سن کر چونکی۔ کچن میں اسے لالچائی نظروں سے دیکھنے والے کی داڑھی سرخ تھی۔ وہ ان کے پاس چلی آئی "تم لوگ کیا بات کر رہے ہو؟"

سجاد نے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتایا۔ "اگر ہم نے باہر موجود شخص پر قابو پا لیا تو اس کا مطلب ہوگا ہمارے پاس کم سے کم ایک ہتھیار تو آ جائے گا۔ ایک بار ہماری مجبوری ختم ہو جائے تو ہم ہوٹل سے نکل سکتے ہیں۔ باہر گاڑیاں ہیں۔ ہم ان کی مدد سے پولیس تک جا سکتے ہیں۔"

رخسانہ نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا "لیکن تم بھی تو ان کے ساتھ فرار ہوئے تھے۔"

سجاد نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس فرار میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ یہ زرک جان اور اس کے ساتھیوں کا منصوبہ ہے پھر ان لوگوں نے خود بتایا ہے کہ ہم ان کے ساتھی نہیں ہیں۔ تمہارے ساتھ یہاں قید ہیں اور ان سے نجات کی کوشش کر رہے ہیں۔"

رخسانہ سوچ میں پڑ گئی "سنو اس میں خطرہ تو نہیں ہے۔"

"خطرہ تو ہر کام میں ہے۔" سجاد بولا "اور آنے والا وقت عورتوں کے لیے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں؟"

رخسانہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اسے ریش خان کی نگاہیں یاد آئیں تو وہ لرز گئی تھی۔ اس نے گہری سانس لی "میں تیار ہوں، میں یہ کام کروں گی۔"

مبین تیزی سے اس کے پاس آیا "یہ تم کیا حماقت کر رہی ہو؟"

"سنو، اگر ہمیں اپنی جان بچانی ہے تو کوشش کرنا ہوگی۔ کم سے کم میں خود کو ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی۔"

سوائے پاشا، سجاد اور رخسانہ کے کوئی ان کے منصوبے سے متفق نہیں تھا۔ وہ اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مبین اس دوران میں مسلسل وہ بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

"میں اس کے خلاف ہوں۔" اس نے کہا "وہ لوگ پیشہ ور قاتل اور دہشت گرد ہیں۔ کوئی بھی ناکام کوشش ان کو مشتعل کر دے گی اور وہ ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔"

"وہ ہمیں ویسے بھی نہیں چھوڑیں گے۔" سجاد نے زور دے کر کہا "وہ یہاں سے جاتے ہوئے اپنے جرم کے ہر گواہ کو مٹا دیں گے۔"

"ہمیں ان کے بارے میں کوئی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔" پاشا بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس کی ساڑھے چار لاکھ کی رقم داؤ پر نہ لگی ہوتی تو کیا وہ اتنا بڑا اقدم اٹھاتا۔ شاید نہیں۔ وہ جانتا تھا اس کا مقابلہ بے حد سفاک لوگوں سے ہے جو رحم کے نام سے بھی نا آشنا تھے۔

....."تم ان لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" رخسانہ نے کہا۔

مبین نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر بند کر لیا۔ شاید وہ بھی کسی حد تک رخسانہ کی بات سے متفق تھا۔ یا اس میں مخالفت کی ہمت نہیں تھی۔ پاشا رخسانہ کو سمجھانے لگا۔ "آپ کوئی بہانہ کیجیے گا۔"

"میں واش روم کا بہانہ کروں گی۔" رخسانہ بولی "وہ ضرور دروازہ کھولے گا۔"

"یہ اچھا رہے گا۔" سجاد بولا لیکن پاشا نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں چلے گا۔" اس صورت میں وہ اندر نہیں آئے گا۔ دروازہ کھول کر اسے باہر بلا لے گا۔ بہانہ ایسا ہو کہ وہ اندر آنے پر مجبور ہو جائے۔"

UrduPhoto.com

''آئیڈیا۔'' رخسانہ بولی ''اگر میں مبین سے جھگڑا کروں اور پھر یوں چیخوں چلاؤں جیسے شوہر مجھ پر تشدد کر رہا ہو تو وہ ضرور اندر آئے گا۔ خاص طور سے میرے لیے۔''

''تمہارے لیے کیوں؟'' پاشا نے اسے غور سے دیکھا۔

رخسانہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی ''وہ..... کم بخت مجھ میں دلچسپی لے رہا تھا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں اس ڈرامے میں ذرا سا رنگ بھرنا پڑے گا۔ تمہارے چہرے پر تشدد کے ایک دو نشان ہونا چاہئیں اور.....'' پاشا کہتے ہوئے ذرا جھجکا ''اگر تم اپنا ذرا سا لباس بھی پھاڑ لو تو زیادہ اثر ہوگا۔ تم نے کہا نا کہ وہ تم میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

رخسانہ کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا..... ''لیکن میرا شوہر شاید اسے پسند نہ کرے۔''

''کیا تمہارا شوہر یہ پسند کرے گا کہ وہ اس کے سامنے تمہیں زبردستی لے جائیں اور پھر جو چاہیں کریں۔'' پاشا نے تلخ لہجے میں کہا ''کیا تم ان کی ہوس محسوس نہیں کر رہی ہو۔ کسی بھی کام میں آدمی کو ذرا سی قربانی تو دینا پڑتی ہی ہے۔ ایک ذرا سی زحمت کر کے تم نہ صرف خود بچ سکتی ہو بلکہ ہم سب کو بچا سکتی ہو۔ سوچ لو عورتوں کے لیے خطرہ کہیں زیادہ ہے۔''

''میں..... میں کوشش کروں گی۔'' رخسانہ مبین کی طرف بڑھ گئی۔ اسے ایک کونے میں لے جا کر بات کرنے لگی۔

''کیا خیال ہے، اس کا شوہر مان جائے گا۔'' پاشا نے سجاد سے کہا۔

''کیا کہہ سکتے ہیں۔'' سجاد نے شانے ہلائے ''ممکن ہے شوہر ہتھے اڑ جائے۔''

''اس صورت میں مسئلہ ہو جائے گا۔ اس پر قابو پانے کے لیے اسے اندر بلانا ضروری ہے۔''

''یہ کام میں کروں گا۔'' سجاد نے کہا ''میں آرمی کے کمانڈو کے شعبے میں رہ چکا ہوں۔''

''اچھا.....'' پاشا نے اسے غور سے دیکھا ''یعنی ہمیں ایک تجربہ کار آدمی بھی میسر ہے۔ رائفل تم ہی سنبھالو گے نا؟'' یہ سوال اس نے محتاط انداز میں کیا تھا۔ سجاد کلہاڑے کا جائزہ لے رہا تھا اس کا پھل اتنا تیز تھا کہ کسی بھی آدمی کو بہ آسانی موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ وہ تربیت یافتہ شخص تھا جسے آدمی کو آسانی سے قتل کرنے کی تربیت دی گئی تھی لیکن مقابلہ ایک مسلح اور مرنے مارنے پر آمادہ قیدی سے تھا۔ جو زندہ پولیس والوں کو ہاتھ آنا پسند نہ کرتا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ پہلے وار میں اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ سیڑھیوں کے ساتھ کارنس پر چڑھا۔ اس پر توازن قائم رکھنا آسان تھا۔ لیکن اصل کام حملہ کرتے ہوئے توازن برقرار رکھنا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ حملہ کرنے کی کوشش میں بیس فٹ نیچے جا گرتا۔ اس صورت میں اس کو سنگین چوٹ آ سکتی تھی اور حملہ کامیاب ہونے کی صورت میں بھی وہ گر سکتا تھا۔ نیچے اس کے تحفظ کے لیے کچھ کرنا ضروری تھا۔ اس نے پاشا سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر آٹے کی بوریاں سیڑھیوں کے پہلو میں پہنچائے جہاں وہ گر سکتا تھا۔ ان دونوں نے چار بڑی بوریاں کھینچ کر وہاں زمین پر بچھا دیں اور مزید تحفظ کے لیے ان پر لکڑی کا برادہ ڈال دیا جو گرم خانے میں لکڑیاں جلانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس دوران میں رخسانہ اور مبین کے درمیان بحث ہو رہی تھی۔ وہ کسی صورت تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے رخسانہ سے کہا ''جلد بازی میں کوئی قدم مت اٹھاؤ۔ ہمیں نقصان ہو سکتا ہے۔ مجھے یہاں سے نکلنے کے بارے میں کوئی بات یاد آ رہی ہے خدارا مجھے سوچنے دو۔''

''تم سوچنے سوچنے میں صبح کر دو گے۔'' رخسانہ برہمی سے بولی ''چار بج رہے ہیں اور ہمارے پاس چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اگر اس دوران میں جمعہ خان اور وہ دونوں بھی پکڑے گئے تو ہمارا اللہ ہی حافظ ہے۔ کم سے کم میں بے عزت ہونے کے بجائے مرنے کو ترجیح دوں گی۔ مبین یہ بتاؤ کہ تم میرا ساتھ دے رہے ہو کہ نہیں۔''

''تم سمجھ نہیں رہی ہو۔'' مبین کے انداز میں بے بسی تھی۔

''میں سمجھ رہی ہوں تم ان کی نیت نہیں سمجھ رہے ہو۔ یہی شخص جو باہر پہرا دے رہا ہے، کچن میں مجھے اتنی ہوس ناک نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ مجھے اب تک شرم آ رہی ہے۔''

''اوکے۔'' مبین نے گہری سانس لی ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

رخسانہ خوش ہو گئی۔ ''مجھے پتا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو میری کوئی بات نہیں ٹال سکتے۔''

''اتنی جرأت کہاں ہے مجھ میں۔''

وہ دونوں پاشا اور سجاد کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

ڈھلان کے اوپر چڑھنا اور بھی دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ یہاں درخت کم تھے اور جھاڑیاں زیادہ تھیں۔ اگر ان کا سہارا نہ ہوتا تو وہ نیچے جا گرے ہوتے یا چاروں ہاتھوں پیروں سے اوپر چڑھنا پڑتا۔ عقب سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ دونوں ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ایک موقع پر ثنا کی ہمت پھر جواب دے گئی تھی۔ اس نے بیٹھ کر دبی آواز میں رونا شروع کر دیا

UrduPhoto.com

''اب..... مجھ سے..... چلا نہیں جا رہا۔''

''ہمت کرو۔'' بابر نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانا چاہا مگر وہ ہلی بھی نہیں۔ بابر خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے آہستہ سے اس سے کہا ''اے..... تم جانتی ہو کتنی پیاری ہو؟''

''کیا بدتمیزی ہے؟'' ثنا نے جھینپ کر کہا۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ اگر ان کے ہاتھ آ گئیں تو ان کی نیت خراب ہو جائے۔ اتنی خوب صورت لڑکی دیکھ کر۔''

''نہیں۔'' ثنا خوف زدہ ہو گئی تھی اور جلدی سے کھڑی ہو گئی ''چلو یہاں سے۔''

بابر مسکرایا تھا اس کا حربہ کامیاب رہا۔ وہ پھر اوپر کی طرف جانے لگے۔ اس بار ثنا پہلے سے زیادہ تیزی سے جا رہی تھی اور بابر کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک اس کا پاؤں نرم مٹی میں پھسلا اور اس کا گھٹنا کسی سخت چیز سے جا لگا۔ اس نے بہ مشکل ضبط کیا تھا۔ اور گھٹنا پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ ثنا رکی ''کیا ہوا؟''

''پاؤں میں کچھ لگا ہے۔'' اس نے اپنے ٹراؤزر کا پائنچا اوپر کیا۔ اس کے گھٹنے سے خون نکل رہا تھا۔

ثنا گھبرا گئی۔ ''میرے خدا..... خون نکل رہا ہے۔''

''معمولی سا زخم ہے۔'' بابر نے درد کو برداشت کرتے ہوئے اسے تسلی دی اور جیب سے رومال ٹٹولنے لگا لیکن اس ٹائپ کی کوئی چیز اس کی جیب میں نہیں تھی۔ اس نے پائنچے نیچے کرتے ہوئے کہا ''کوئی بات نہیں خون خود رک جائے گا۔''

''نہیں۔'' ثنا نے اسے روک دیا پھر رخ دوسری طرف کرتے ہوئے اس نے اپنی شرٹ کا کنارہ پھاڑا اور اس کی پٹی بنا کر اس کے گھٹنے پر باندھ دی ''اب خون رک جائے گا۔''

''اور اچھا بھی لگے۔'' بابر نے آہستہ سے کہا ''تھینک یو۔''

''ویلکم۔'' وہ شرمائی ''اب اٹھو۔''

بابر نے کھڑے ہونا چاہا تو گھٹنے میں شدید تکلیف ہوئی تھی۔ اس کے پاؤں میں بری طرح لنگ تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے ثنا سے کہا ''تم جاؤ جمعہ خان کے ساتھ میرے پاؤں میں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''نہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔'' ثنا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''ورنہ میں بھی نہیں جاؤں گی۔''

''پاگل نہ بنو۔ مجھے وہ کچھ نہیں کہیں گے۔ تمہارے لیے خطرہ اور ہے۔''

''نہیں۔'' ثنا نے اسی انداز میں کہا ''میں تمہیں سہارا دوں گی۔''

بابر نے گہری سانس لی ''اچھا چلو۔''

جمعہ خان بے حس سا کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے بابر کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ثنا نے اسے بابر کو سہارا دینے کے لیے بلایا تو اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ مجبوراً ثنا کو خود ہی اسے سہارا دینا پڑا۔ بابر اس کے نازک شانے پر ہاتھ رکھ کر اوپر جانے لگا۔ آوازیں ان کے قریب آتی جا رہی تھیں۔ بڑبڑانے کی، پتھر گرنے کی اور بعض اوقات ٹہنیاں ٹوٹنے کی۔

بابر ہر قدم پر درد کی شدت بڑھتے محسوس کر رہا تھا۔ شاید پتھر لگنے سے ہڈی متاثر ہوئی تھی۔ جمعہ خان آگے آگے بھاگتے ہوئے انہیں جلدی آنے کو کہہ رہا تھا۔ اس وقت پہاڑوں کی بلندیوں پر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی مگر جنگل اور ڈھلان پر بدستور تاریکی مسلط تھی۔ ایک بار اتنی شدت کا درد اٹھا کہ بابر گر پڑا۔ چیخ روکنے کے لیے اس نے دانت ہونٹ میں گاڑ دیے تھے۔ ثنا اس پر جھک گئی۔

''کیا ہوا؟''

''اب چلا نہیں جا رہا ہے۔'' اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

''پلیز کوشش کرو۔'' ثنا گھبرائی تھی کیونکہ جمعہ خان رکے بغیر چلتا جا رہا تھا۔'' ثنا نے اسے دو تین بار آواز بھی دی مگر وہ رکا نہیں تھا۔ وہ اپنی جان بچا کر فرار ہو رہا تھا۔

''تم جاؤ۔'' بابر نے اسے دھکیلا۔ ''میری فکر نہ کرو۔''

''نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی ورنہ یہیں بیٹھی رہوں گی۔'' ثنا بولی۔

''پلیز ثنا، ضد نہ کرو۔ جاؤ۔''

ثنا آہستہ سے ہنسی ''حساب برابر کر دیا نا۔''

اس لمحے پاس ہی سے کسی کے گالی دینے کی آواز آئی۔ وہ خوف سے اچھل پڑے تھے۔ دشمن پاس آ چکا تھا۔ بابر نے چاروں طرف دیکھا پھر دو درختوں کے درمیان بنے تنگ سے خلا میں گھس گیا۔ اس کے ایک طرف پتھر تھا اور سامنے لگی جھاڑی کی وجہ سے اوپر سے اسے دیکھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ بیٹھا تھا اس لیے اسے یہ خلا نظر آ گیا۔ یہاں اتنی جگہ تھی کہ وہ دونوں آ سکتے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ثنا کو بھی اندر کھینچ لیا۔ بابر کا اندازہ کسی قدر غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ دونوں اس خلا میں آ تو گئے تھے لیکن یک جان ہو کر۔ ثنا جھینپی ہوئی تھی اور شکر بھی کر رہی تھی کہ تاریکی میں بابر اس کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھا۔ بابر نے اس کے نازک جسم سے دور ہونے کی کوشش کی لیکن وہاں پر اتنی جگہ ہی نہیں تھی۔

''سوری۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''چپ۔'' ثنا نے شرما کر کہا۔

UrduPhoto.com

باہر لال خان اور گورا خان جھاڑیوں کو کھنگالتے پھر رہے تھے۔ لال خان نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اس نے یہاں کسی کے بولنے کی آواز سنی تھی۔ ''وہ ادرای چپا اے۔''

''بکواس نہ کر۔ ادر کیا کرے گا۔'' گورا خان بولا۔

مگر ساتھ ہی وہ جھاڑیاں بھی دیکھ رہے تھے اور رفتہ رفتہ ان کے نزدیک آتے جا رہے تھے۔ ثنا لرز رہی تھی بابر نے اسے تھامتے ہوئے سرگوشی کی ''آرام سے۔ ڈرو مت۔''

''یہ ہمیں پکڑ لیں گے۔'' ثنا پر خوف طاری ہو رہا تھا۔

تب ہی اس کے خوف کو کم کرنے کے لیے اور کچھ اس کے نرم و نازک لمس سے مجبور ہو کر بابر نے وہ حرکت کی۔ ثنا کی آواز بند ہو گئی تھی اور اس کی سانس رک گئی تھی۔ دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس لمحے وہ آنے والے خطرے کو بھول گئی۔ سب کچھ فراموش کر دیا۔ ایسی انجانی کشش اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے دور ہونا چاہا لیکن نہ ہو سکی۔

''وہ یہیں ہیں۔'' لال خان نے جھاڑی میں رائفل ماری۔ وہ چونک کر الگ ہو گئے تھے۔ اس بار ثنا اس سے لپٹ گئی تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کس صورتِ حال سے دوچار ہے۔ دشمن کے اتنے نزدیک آنے سے دونوں ہی سہم گئے تھے۔ لال خان دو درختوں کے درمیان میں اگی اس جھاڑی کی طرف بڑھا اسے درختوں کے درمیان خلا محسوس ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے وہ جھاڑی ہٹاتا اوپر سے پتھر گرنے کی آواز آئی۔ گورا خان نے اسے گردن سے پکڑ کر اوپر کی طرف دھکا دیا ''اور چلو خدائی خوار۔''

وہ تیز قدموں سے اوپر جانے لگے۔ اندر درخت کے مختصر سے خلا میں یک جان ثنا اور بابر نے بیک وقت رکی ہوئی سانس لی تو دونوں ہی مزید پھنس گئے تھے۔

''بدتمیز۔'' ثنا نے خفگی سے کہا۔

''شکریہ۔'' بابر نے دوبارہ بے تکلف ہونے کی کوشش کی لیکن ثنا نے اسے پیچھے دھکیل کر باہر نکل آئی۔ وہ شدت سے سنجیدہ تھی۔ اس کے خیال میں یہ صحیح نہیں ہوا تھا۔ اس سے دور ہوتے ہی بابر بھی شرمسار سا ہو گیا تھا۔ اس نے باہر آ کر اس سے معذرت کی لیکن ثنا نے جواب دینے کے بجائے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور وہ بلندی کی طرف جانے لگے۔ اب وہ الٹا ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس واقعے نے ان کو اتنا منتشر الخیال کر دیا تھا کہ انہیں یہ سوچ نہیں آئی کہ اب انہیں واپس نیچے کا رخ کرنا چاہیے۔

اکرم شاہ کو پولیس سے رابطے کا خیال تھا۔ وہ وقفے وقفے سے پولیس ہیڈ کوارٹر سے رابطہ کر رہا تھا۔ پولیس کی ساری توجہ تیس سے چالیس سنگِ میل کے درمیانی علاقے پر مرکوز تھی۔ مفرور ان کے درمیان..... کہیں غائب تھے۔ ان دونوں سنگ میل پر پولیس چوکیاں تھیں اور مفرور قیدیوں کی وین چالیسویں سنگِ میل سے نہیں گزری تھی۔ پولیس ہائی وے کے ان راستوں پر توجہ دے رہی تھی جہاں سے ایسی وین گزر سکتی تھی۔ بدقسمتی سے ایسے بے شمار راستے تھے اور ان میں سے اکثر گھنے جنگلوں میں سے گزرتے تھے۔ جہاں فضا سے تلاش اتنی ہی دشوار تھی جتنی کہ زمینی تلاش۔ بے شمار گہرے کھڈ ایسے تھے جن میں وین گرا دی جاتی تو پتا بھی نہیں چلتا۔ قیدی پیدل بھی فرار ہو سکتے تھے۔ ان کے ساتھ غائب ہونے والے آٹھویں پولیس والے کا بھی پتا چلا تھا۔ اس علاقے کے ایک جنگل سے دیہاتیوں کو ایک پرانی لاش ملی تھی جسے شامیر خان کے نام سے شناخت کر لیا گیا تھا۔ لاش کم سے کم ہفتے بھر پرانی تھی۔ جبکہ ریکارڈ کے مطابق شامیر خان قیدیوں کی وین کے ساتھ جانے والے گارڈز میں شامل تھا۔ معما بہت آسان تھا۔ جانے والا شامیر خان جعلی تھا اور اس نے قیدیوں کو فرار میں مدد دی تھی۔ پولیس حکام کا خیال تھا کہ یہ ساری کارروائی زرک جان کے گروہ نے کی تھی۔ اس کے ساتھ کم سے کم سات عادی مجرم بھی فرار ہوئے تھے۔

اکرم شاہ نے اپنے سامنے ہائی وے کا نقشہ رکھا تھا۔ اس میں تیس سے چالیس سنگِ میل کے درمیان سے صرف دو سڑکیں نکلتی تھیں۔ ایک تو مڑ کر پڑوسی ملک کے سرحدی علاقے تک چلی جاتی تھی۔ لیکن قیدیوں کا اس طرف جانا مشکوک تھا۔ ایک تو اس طرف ان دنوں فوج لگی تھی پھر فضا سے تلاش کرنے والے ہیلی کاپٹر کو بھی اس سڑک پر کوئی وین نظر نہیں آئی تھی۔ دوسری سڑک جو بائیں طرف نکلتی تھی دراصل ایک بائی پاس تھا اور دوسری ہائی وے کو اس ہائی وے سے ملاتی تھی تقریباً سات میل لمبی اس سڑک کو حال ہی میں مکمل کیا گیا تھا۔ اس پر بھی تلاش کے بعد وین یا قیدیوں کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا مگر نہ جانے کیوں اکرم شاہ کو لگ رہا تھا قیدی اس طرف کہیں موجود تھے۔ اچانک اسے ایک خیال آیا۔ اس نے وائرلیس پر پولیس حکام کو پیغام بھیجا کہ اس ہائی وے کے اطراف میں پولیس وین کو فضا میں تلاش کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں سورج نکلنے والا تھا اور روشنی میں یہ کام آسان ہو جاتا۔ رات کی تاریکی میں پولیس ہیلی کاپٹرز صرف ہائی وے اور سڑک ہی دیکھ سکتے تھے۔ کھائیوں اور جنگلوں میں دن میں ہی تلاشی لے سکتی تھی۔ پیغام بھجوا کر وہ ایک بار پھر نقشے پر جھک گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

UrduPhoto.com

فرار ہونے والے قیدی کہاں ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆

صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ رخسانہ اور مبین لڑتے جھگڑتے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ان کی آواز اتنی تیز ضرور تھی کہ تہ خانے کے دروازے کے باہر تک جاتی۔ مبین رخسانہ کو منع کر رہا تھا اور وہ مسلسل چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ ضرور جائے گی وہ اس درندے کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

مبین گرجا ''میں درندہ ہوں۔'' اور اس نے زوردار طمانچہ رخسانہ کے گال پر رسید کیا۔

''تم..... تم کمینے آدمی۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔'' رخسانہ چلائی۔ وہ دروازے سے دو تین سیڑھیاں نیچے تھی۔

''واپس چلو ورنہ میں تمہاری صورت بگاڑ دوں گا۔'' مبین نے اسے پھر تھپڑ مارا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔ وہ خود کو چھڑانے کے لیے زور لگا رہی تھی اور چیخ چلا رہی تھی۔ معاً تہ خانے کا دروازہ کھلا اور ریش خان نظر آیا۔ اس نے گرج کر کہا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔'' مبین نے جان بوجھ کر رخسانہ کے شانے کے پاس سے سوئٹر اس طرح کھینچا کہ اس کی سلائی ادھڑ گئی جو رخسانہ پہلے ہی کمزور کر چکی تھی۔ وہاں سے اس کے شانے کی سفید جلد جھلکنے لگی۔ ریش خان کی نظر اس پر جم کر رہ گئی تھی۔ رخسانہ چلائی۔

''میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ یہ درندہ ہے مجھے مارتا ہے۔''

''پھر کہاں جاؤ گی۔'' مبین نے تلخ لہجے میں کہا ''ان لوگوں کے پاس۔''

''میں اوپر جاؤں گی۔ یہ تم سے تو اچھے ہیں۔''

مبین نے اسے پھر طمانچہ مارا۔ رخسانہ نے ریش خان سے فریاد کی ''مجھے اس سے بچاؤ۔''

''چوڑ دے اے۔'' ریش خان نے غرا کر مبین سے کہا مگر وہ دروازے سے آگے نہیں آیا تھا۔

''ہمارے معاملے میں دخل نہ دو۔'' مبین بولا اور دوبارہ رخسانہ کو کھینچ کر نیچے لے جانے لگا۔ اس نے خود کو رخسانہ کی اوٹ میں ہی رکھا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ سفاک مجرم اسے گولی ہی نہ مار دے۔ رخسانہ کو وہ کچھ نہ کہتا۔

ریش خان نے رائفل سیدھی کرتے ہوئے اسے دھمکایا ''چوڑ اے۔''

''اے تم مجھے مار دو گے۔'' رخسانہ چلائی اسے بھی خطرہ تھا کہ وہ گولی نہ چلا دے ''مجھے آ کر اس سے چھڑاؤ۔''

رخسانہ بظاہر کشمکش کے دوران میں دو تین سیڑھیاں نیچے اتر چکی تھی۔ باقی سب افراد نیچے سے دم بہ خود سے اس کی یہ کشمکش دیکھ رہے تھے۔ ریش خان کو مجبور کرنے کے لیے رخسانہ نے اپنا شانہ اس حد تک عریاں کر لیا کہ اس کی اندرونی لباس کا فیتہ نظر آنے لگا تھا۔ ردعمل خاطر خواہ ہوا۔ ریش خان ذرا سا آگے آیا مگر ابھی بھی وہ اندر نہیں آیا تھا۔ مبین کو ذرا سی مایوسی ہوئی۔ اس نے رخسانہ سے کہا ''اس سے کیا بول رہی ہو۔ تیرا یار ہے کیا۔''

''ہاں..... یار ہے میرا..... میں اس کے ساتھ رہ لوں گی۔ پر تیرے ساتھ ہرگز نہیں۔ مجھے اس سے چھڑاؤ۔''

ان دونوں کی گفتگو اور خاص طور سے رخسانہ کے جملے نے ریش خان کی کھوپڑی کو اڑا دیا تھا۔ وہ غراتا ہوا تہ خانے کے دروازے میں داخل ہوا۔ اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اسے اپنا دائیں جانب کسی حرکت کا احساس ہوا اس نے پھرتی سے مڑنا چاہا لیکن اسے تاخیر ہو چکی تھی۔ کلہاڑی کے تیز پھل نے اس کے سر کو درمیان سے ترچھا دو حصوں میں کاٹ دیا تھا۔ ریش خان کے منہ سے دہاڑ نما چیخ نکلی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سیڑھیوں پر جا گری تھی۔ پھر وہ خود لہرا کر سیڑھیوں سے نیچے فرش پر جا گرا۔ کلہاڑی بدستور اس کے سر میں ترازو تھی۔ وار اتنا کاری تھا کہ وہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ وار کرتے ہی سجاد کا توازن خراب ہوا تو وہ از خود نیچے کود گیا تھا۔

''ریش خان۔'' معاً کسی نے باہر سے پکارا ''کیا ہوا؟''

آواز زرک جان کی تھی۔ وہ سامنے سے آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس موقع پر مبین نے عقل سے کام لیا اس نے رخسانہ کو سیڑھیوں پر نیچے دھکیلا اور خود تیزی سے اوپر کی طرف آتے ہوئے تہ خانے کے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے اسے کنڈی لگا دی۔ عین اسی لمحے باہر سے برسٹ چلا اور دروازے میں سوراخ ہو گئے تھے۔ مبین کے منہ سے کرب ناک چیخ نکلی اور وہ نیچے آٹے کی بوریوں پر جا گرا۔

☆☆☆

زرک جان بے چین تھا۔ لال خان اور گورا خان اب تک واپس نہیں آئے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس جگہ زیادہ دیر نہیں رکے گا۔ اسے یہاں خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ تین چار گھنٹے کی نیند نے اسے تازہ دم کر دیا تھا۔ اسے خیال آیا کہ مسافروں کے سامان کی تلاشی لینی چاہیے۔ انہیں رقم کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے اس نے پہلی منزل کے مسافروں کے سامان کی

UrduPhoto.com

تلاشی لی۔ سوٹ کیسوں کے تالے توڑ دیے لیکن اسے بہ مشکل اٹھارہ ہزار کی رقم اور کچھ سونے کی اشیا ملی تھیں پھر اس نے اوپری منزل کا رخ کیا۔ پاشا کے کمرے میں اسے سوٹ کیس سے کچھ نہیں ملا تھا پھر اس کی نظر بستر کے نیچے سے جھانکتے سفری بیگ پر پڑی۔ اس نے اسے کھینچا تو اس کی زپ کے ساتھ تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے چاقو لیا اور بیگ کاٹ ڈالا۔ پھر وہ اچھل پڑا تھا۔ بیگ میں سے نوٹوں کی گڈیاں جھانک رہی تھیں۔ اس نے گڈیاں نکالیں۔ ان میں نئی پرانی ہر قسم کی گڈیاں تھیں۔ گڈیاں سیل بند تھیں اور ان پر بینک کی مہر لگی تھی۔ اس طرح پرانی گڈیوں کو بھی سیل کر کے ان پر مہر لگا دی گئی تھی۔ گویا یہ کسی بینک سے آئی تھیں اور پھر اس کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ رقم کسی بینک ڈکیتی میں لوٹی گئی تھی۔ یعنی اس کمرے میں ٹھہرے لوگ ڈاکو تھے۔ یک دم اسے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ وہ جن لوگوں کو عام سا مسافر سمجھ رہا تھا' ان میں ڈاکو بھی شامل تھے۔ اس نے بیگ بند کر کے اسے دوبارہ بستر کے نیچے کر دیا اور رائفل لے کر نیچے کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اسے نیچے سے چیخ سنائی دی پھر تو وہ تیزی سے لپکا۔ کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔ نیچے آتے ہوئے اس نے ریش خان کو پکارا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ نیچے آتے ہی تہ خانے کی طرف لپکا۔ اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا تھا اور ہوٹل کا مالک سیڑھیوں پر تھا جبکہ ریش خان کا کہیں پتا نہیں تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے مبین نے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے بے اختیار فائر کر دیا۔ برسٹ نے دروازے میں سوراخ کر دیے تھے۔ اسے چیخ بھی سنائی دی تھی یعنی ہوٹل کا مالک اس کی گولیوں کا نشانہ بن چکا تھا۔ لیکن ریش خان کہاں تھا۔ اس نے چلا کر ساتھیوں کو پکارا۔

''شیر گل..... رئیس..... ریشم خان کہاں مر گئے ہو؟''

وہ سب اپنی رائفلیں سنبھالے اوپر سے بدحواس اترے تھے۔ ریشم نے ابھی تک پولیس کے گارڈ کی وردی پہنی ہوئی تھی

''کیا ہوا استاد؟'' شیر گل نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے انہوں نے کسی طرح ریش خان کو اندر بلا کر اس پر قابو پا لیا ہے۔'' زرک جان نے تہ خانے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے ایک بندے کو مار دیا ہے۔''

''دیکھ کیا رہے ہو۔ سب مل کر فائر کرو۔'' شیر گل غضب ناک ہو کر بولا ''کسی کو نہیں چھوڑنا۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔'' زرک جان نے اسے جھڑکا ''ایک رائفل اب ان کے پاس ہے ان میں بینک ڈکیتی کرنے والے لوگ بھی ہیں۔ وہ خطرناک ہیں۔''

شیر گل دروازے کے پاس گیا اس نے لات ماری لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے چلا کر اندر والوں سے کہا ''تم لوگ باہر آ جاؤ اور ریش خان کو چھوڑ دو ورنہ تم سب کا انجام برا ہوگا۔''

اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

زرک جان سوچ رہا تھا کہ اس صورتِ حال سے کیسے نمٹے۔ مار دھاڑ کرنا اور بات تھی لیکن اس طرح اسلحے سمیت محصور ہو جانے والوں پر قابو پانا اور بات تھی۔ اب ان لوگوں کا مارا جانا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ پتا نہیں ریش خان زندہ تھا یا انہوں نے اسے مار دیا تھا۔ اس نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔ ریش خان کے زندہ ہونے کے امکانات زیادہ ہی تھے۔ پھر وہ سب عورتوں کے بھوکے تھے۔ رات سونے سے پہلے وہ اس بارے میں بات کر رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ مردوں کو مار کر عورتوں کو فی الوقت زندہ رکھیں گے۔ وہ ان کی دل بستگی کے ساتھ ان کے کھانے پینے کی ضروریات بھی پوری کریں گی اور جب وہ جانے لگیں تو انہیں بھی مار دیں گے۔ نیچے تین جوان اور پُرکشش عورتیں تھیں۔ اس کے علاوہ فرار ہونے والی ایک نوعمر لڑکی بھی تھی۔ اس کے بارے میں زرک جان کو امید تھی کہ وہ پکڑ کر لائی بھی گئی تب بھی لال خان اور گورا خان اس کا حشر پہلے ہی خراب کر چکے ہوں گے۔ صورتِ حال خراب ہونے کے باوجود زرک جان کا ذہن اس لڑکی میں الجھا ہوا تھا کہ وہ کیسی ہوگی؟

☆☆☆

''تم بہت خوب صورت ہو۔'' ثنا کا سہارا لے کر چلتے ہوئے بابر نے اسے مطلع کیا۔

''خاموشی سے چلتے رہو۔'' ثنا نے اسے گھورا۔

''اچھا میں نے تو سنا ہے کہ لڑکیوں کو اپنی تعریف اچھی لگتی ہے۔''

''مجھے اچھی نہیں لگتی۔'' اس نے جھوٹ بولا درحقیقت اسے بابر کے منہ سے اپنی تعریف اچھی لگی تھی۔ اسے وہ بھی اچھا لگا تھا بلکہ ان لمحات کے بعد اچھا لگنے لگا تھا۔ لیکن اس نے یہ بات اسے بتائی نہیں۔ وہ اور بے باک ہو جاتا۔ کم عمری کے باوجود اسے احساس تھا کہ ایک خاص وقت سے پہلے یہ سب اچھا نہیں ہوتا۔ بابر شریف بھی تھا۔ سوائے اس وقت کے جب وہ درختوں کے درمیان تھے۔ اس وقت وہ پہاڑ کی بلندی کے قریب تھے۔ اس کے بعد دوسری طرف اترنا تھا۔ عقب میں ڈھلان اور ہوٹل کوہسار کی عمارت بہت نیچے رہ گئی تھی۔ روشنی ہونے کے بعد کبھی کبھی درختوں سے ہوٹل کی عمارت کی جھلک نظر آتی تھی۔ جنگل میں بھی اب روشنی ہو رہی تھی اور وہ بھی محتاط

UrduPhoto.com

ہو گئے تھے۔ خوب اچھی طرح جائزہ لے کر ہی آگے بڑھتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ لال خان اور گوراخان آس پاس ہی تھے۔ بابر کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا۔ چلتے چلتے اس کی نظر ایک جھاڑی پر لگے سرخ بیری نما شے پر پڑی۔ اس نے رکتے ہوئے اسے توڑ کر چکھا۔ ذائقے میں میٹھے تھے۔ اس نے بے تابی سے انہیں کھانا شروع کر دیا لیکن پھل کم تھے دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔ خواہش کے باوجود ثنا نے انہیں کھانے سے گریز کیا۔ اسے معلوم تھا کہ بابر بے حد بھوکا تھا۔ البتہ اسے شدت سے پانی کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ سرد رات کے باوجود وہ اس مشقت سے پسینے پسینے ہو گئی تھی۔

''شکر ہے۔'' بابر نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا ''ورنہ میں بھوک سے بس فوت ہونے والا تھا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' ثنا نے بے ساختہ کہا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ جھینپ گئی۔ پھر اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی ''میرا مطلب ہے تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا۔''

''اور میں سوچ رہا ہوں۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا؟'' بابر نے شرارت سے کہا۔

''اب اٹھ جاؤ۔''

''سہارا تو دو۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا ''دل چاہ رہا ہے کہ بس ساری عمر اس طرح لنگڑا بنا رہوں۔''

''زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ہنسی اور دونوں ایک دوسرے کو تھامے آگے بڑھ گئے۔

☆☆☆

روشنی ہوتے ہی ہیلی کاپٹر ہائی وے سے ملحقہ جنگلات پر چکرانے لگے تھے۔ ہیلی کاپٹر آرمی ایوی ایشن سے مستعار لیے گئے تھے۔ لیفٹیننٹ اکرم شاہ کی درخواست پر وہ ہائی پاس کے آس پاس تلاش جاری رکھے ہوئے تھے۔ آٹھ بج کر بارہ منٹ پر ایک ہیلی کاپٹر نے ہائی پاس کے آغاز میں غائب ہو جانے والی پولیس وین کو ایک کھائی میں تباہ شدہ حالت میں دریافت کر لیا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس میں موجود کوئی فرد زندہ نہیں بچا۔ سب ہی مارے گئے تھے لیکن جب ہیلی کاپٹر سے ایک پولیس کمانڈو رسی کے ذریعے نیچے اترا تو اس نے وین کو بالکل خالی پایا۔ مفروروں نے اسے خود کھائی میں دھکیل دیا تھا۔ اکرم شاہ تک یہ اطلاع پہنچی تو اسے اپنے شک کی درستگی کا احساس ہونے لگا۔ مفرور ہائی پاس کے اردگرد کہیں موجود تھے۔ اس نے شمال میں گشت کرنے والی ایک ملیشیا پارٹی کو ہائی پاس کی طرف جانے کا حکم دیا۔

''اس علاقے میں ہر مشکوک شخص کی کڑی جانچ پڑتال کی جائے۔''

اکرم شاہ کو معلوم تھا کہ اس طرف ہائی پاس تک تہ در تہ پہاڑ تھے۔ جن پر گھنے جنگل اگے تھے۔ ان کے درمیان ڈھلانوں پر معمولی سی آبادی تھی جو زیادہ تر چرواہوں پر مشتمل تھی۔ اس طرف بھیجا جانے والا دستہ ہائی پاس سے چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ ہائی پاس پر اسے یاد آیا کہ اس جگہ ایک قدیم عمارت تھی۔ انگریزوں کے دور میں یہ آرمی ریسٹ ہاؤس تھا اس علاقے میں آنے والی فوجی مہمات کے افسران اس ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اور ہائی پاس بننے کے بعد کسی پارٹی نے اسے حکومت سے خرید کر ہوٹل میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ تین مہینے پہلے جب وہ اتفاقاً ہائی پاس سے گزرا تھا تو اس نے عمارت کی مرمت ہوتے دیکھی تھی۔ اسے خیال آیا کہ ہوٹل والوں کو بھی ان مفروروں سے خبردار کر دے۔ اس نے پولیس سے رابطہ کر کے انہیں ہوٹل کے بارے میں بتایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہوٹل والوں کو مفروروں سے ہوشیار کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں مارے جائیں۔ ہیڈ کوارٹر سے اسے بتایا گیا کہ ایک پولیس پارٹی ہائی پاس کی طرف روانہ کی جا رہی ہے۔

☆☆☆

زرک جان کا غصے سے برا حال تھا۔ اب تک اس کی توقع پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ریشم خان کو گریبان سے پکڑ لیا ''اوئے..... خانہ خراب تم نے کہا تھا ادھر کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ یہاں تو مسئلے ہی مسئلے ہیں۔ اب ہمیں یہاں سے بھی نکلنا ہو گا۔''

''زرک جان میں نے سب دیکھا تھا۔ ایک دن پہلے تک یہ تین لوگ تھے اور ہوٹل کا کام ابھی مکمل کدھر ہوا ہے۔ پتا نہیں یہ لوگ کہاں سے آ گئے۔'' ریشم خان نے نرمی سے کہا۔

''اب ہم کہاں جائیں۔ باہر ہر طرف پولیس اور ملیشیا والے پھر رہے ہوں گے۔'' اس نے دیوانہ وار چکراتے ہوئے کہا۔ اچانک باہر سے ایک عجیب سی گنگناہٹ کی آواز آئی۔ زرک جان نے جھپٹ کر کھڑکی سے پردہ ہٹایا۔ دور آسمان پر ایک ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا ہوٹل کی طرف آ رہا تھا۔ زرک جان کے منہ سے پشتو کی نادر گالیاں برآمد ہوئی تھیں۔ پولیس ان کے سر پر آ پہنچی تھی۔ اب یہ لوگ اس کے لیے اور بھی ضروری ہو گئے تھے اس نے چیخ کر شیر گل سے کہا۔

''دھوئیں کے بم لاؤ۔''

شیر گل کے اشارے پر ان کا ایک ساتھی بم لینے دوڑا تھا۔

پھر زرک جان نے دروازے کے پاس جا کر کہا ''اگر تم لوگ باہر نہیں آئے تو ہم تہ خانے میں دستی بم پھینکنا شروع کر دیں گے۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' اندر سے سجاد کی پُر اعتماد آواز آئی ''اس صورت میں عمارت کے بنیادی ستون تباہ ہو جائیں گے۔ یہ پرانی عمارت کچے گھر کی طرح بیٹھ جائے گی ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

زرک جان نے قہقہہ لگایا ''اور اگر میں دھوئیں والا بم پھینکوں تو تم کیا کرو گے؟''

جواب میں ایک گولی آئی اور زرک جان بال بال بچا۔ دروازے میں سوراخ کرنے والی گولی اس کے سر سے صرف دو انچ اوپر لگی تھی۔ اسے نشانے پر حیرت ہوئی تھی۔ اس نے آواز پر نشانہ لگایا تھا۔ زرک جان کا خیال تھا کہ یہ بینک لوٹنے والا ڈاکو تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے دوسرے زاویے سے حملہ کیا

''سنو میرے ساتھیو۔ اگر پولیس یہاں تک آ گئی تو ہمارے ساتھ تم بھی مارے جاؤ گے۔ ابھی یہی لوگ ہمیں پولیس سے بچا سکتے ہیں۔ انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرو۔''

''تمہارا کیا خیال ہے اس وقت تم کس سے بات کر رہے ہو۔'' سجاد ہنسا ''میں تمہارا ساتھی ہی ہوں۔ ہم میں سے کوئی تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ یہ لوگ گواہی دیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اس لیے پکڑے جانے کی صورت پولیس ہمیں کچھ نہیں کہے گی بلکہ رضا کارانہ گرفتاری پر ہم سے اچھا سلوک ہی ہوگا۔''

''غدار۔'' زرک جان نے دانت پیسے پھر دہاڑ کر بولا ''بم لاؤ۔''

اندر رخسانہ مبین کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ آج اسے پہلی بار اپنے شوہر پر فخر ہو رہا تھا۔ اس نے کتنی بہادری سے دروازہ بند کر دیا اور بال بال بچا تھا۔ ایک گولی اس کے ماتھے پر خراش ڈالتی گزر گئی تھی۔ معمولی سا زخم تھا اور نیچے آٹے کی بوریوں کی وجہ سے اس کی بچت ہو گئی تھی۔ ریش خان کی لاش انہوں نے کپڑے میں لپیٹ کر سیڑھیوں کے نیچے والے خلا میں ڈال دی تھی۔ اس کی رائفل سجاد کے پاس تھی۔ رئیس خان کے پاس سے اس کے تین اضافی میگزین اور ایک خنجر بھی ملا تھا۔ اوپر والوں کی دھمکی نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ اگر وہ واقعی دھوئیں کے بم پھینک دیتے تو وہ بے ہوش ہو جاتے یا باہر نکلنے پر مجبور ہو جاتے۔ تہ خانہ بڑا تھا لیکن بند ہونے کی وجہ سے دھوئیں کا لازمی اثر ہوتا۔ سجاد نے سیڑھیوں کے عین سامنے آٹے کی بوریوں کی مدد سے مورچا بنا لیا تھا۔ اس نے زرک جان کو مارنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

مبین کسی گہری سوچ میں تھا۔ جب رخسانہ نے اس سے کہا ''یہ لوگ تو واش روم کی ضرورت کی اداکاری کرنے کو کہہ رہے تھے مجھے سچ مچ ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

بیوی کی بات سن کر مبین اچھل پڑا تھا۔ ''یاد آ گیا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار ایک طرف رکھی لکڑی کی پیٹیوں کی طرف جھپٹا۔ اس نے پیٹیاں اٹھا کر ایک طرف رکھنا شروع کر دیں۔ پاشا اس کی طرف چلا آیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''اس طرف راستہ ہے۔'' اس نے اضطراب سے کہا۔

''راستہ۔'' پاشا چونکا۔

''اس طرف سے ایک ہول نیچے وادی میں جاتا ہے۔ کسی زمانے میں اسے گندہ پانی اور کچرا پھینکنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ خاصا بڑا سوراخ ہے۔ میں نے اس پر لکڑی کا ڈھکن لگا دیا تھا۔''

یہ سنتے ہی پاشا کے ساتھ مقصود اور مسٹر کرمانی بھی اس کی مدد کو آ گئے۔ البتہ ایک طرف بیٹھا سعد اپنے مشغلے میں مگن رہا تھا۔ وہ مکئی کے دانے کھا رہا تھا۔ گل اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے وہاں سے ساری پیٹیاں ہٹا دیں اور فرش پر لکڑی کا گول ڈھکن نظر آنے لگا۔ اس لمحے اوپر دروازے پر برسٹ مارا گیا۔ لکڑی کے ٹکڑے اڑے اور اس ہونے والے سوراخ سے ایک ہاتھ اندر آیا جس میں ایک رول نما لمبی اور گول سی چیز تھی۔ سجاد نے فائر کیا۔ ہاتھ غائب ہو گیا اور رول لڑھکتا ہوا نیچے آنے لگا۔ وہ اچانک دھماکے سے پھٹا تھا۔ اس سے دھوئیں کے گہرے بادل نکلنے لگے۔ پاشا نے جھپٹ کر ایک گول منکا نما چیز اٹھائی۔ یہ اناج رکھنے کے کام آتے تھے اس نے یہ برتن اٹھا کر اس دھوئیں کے بم پر رکھ دیا۔ اس سے عارضی طور پر دھوئیں کا اثر رک گیا تھا لیکن وہ جانتا تھا برتن اسے نہیں روک سکے گا۔ اس نے چلا کر مبین سے کہا۔

''راستہ کھولو۔''

مبین نے لکڑی کا ڈھکن ہٹا دیا۔ نیچے سے تقریباً بیس انچ قطر کا سوراخ نمودار ہوا تھا۔ یہ آہنی پائپوں سے بنایا جانے والا سوراخ تھا جو نیچے ڈھلان کی تہ تک جاتا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس میں جائے گا کون؟ نہ جانے کتنے عرصے سے یہ سوراخ استعمال نہیں ہوا تھا۔ اس کے بند ہونے کا خطرہ تھا۔ پاشا نے ایک لکڑی اس میں پھینکی۔ وہ لڑھکتی اور آہنی پائپ سے ٹکراتی نیچے چلی گئی۔ کوئی دس سیکنڈ تک اس کے گرنے کی آواز آتی رہی۔

تھی۔ مبین نے ان کی طرف دیکھا۔

"نقشے کے مطابق یہ پائپ کوئی سو گز لمبا ہے۔ اس طرح لکڑی نے خاصی دیر سفر کیا ہے۔ پائپ کھلا ہے۔"

"یہاں کوئی رسی ہے۔" مقصود نے کہا "میں رسی باندھ کر نیچے اترتا ہوں۔ اگر پائپ راستے میں کہیں بند ہوا تو تم لوگ مجھے واپس کھینچ لینا۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے اس کا بازو تھام لیا پھر اس کے تاثرات دیکھ کر چپ ہوگئی۔

مبین نے ایک طرف رکھا رسی کا گچھا اٹھایا۔ رسی.... تقریباً سو گز لگ رہی تھی۔ اسے ناپنے کا وقت نہیں تھا۔ مٹکے نما برتن کے نیچے سے دھواں نکلنے لگا تھا اور تہ خانے کی محدود فضا میں ایک خراش آمیز بو محسوس کی جارہی تھی۔ مقصود نے اسے کمر سے باندھا اور سوراخ میں اتر گیا۔ اس نے کہا "اگر رسی ڈھیلی ہوجائے تو سمجھ لینا میں خیریت سے اتر گیا ہوں اور میں آواز نکالوں تو اس کا مطلب ہوگا آگے راستہ بند ہے مجھے واپس کھینچ لو۔"

مبین نے سر ہلایا۔ وہ اور پاشا رسی پکڑے ہوئے تھے۔ مقصود سوراخ میں اترنے لگا تو ثمینہ نے بے قراری سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "اپنا خیال رکھنا۔"

مقصود نے اس کا گال تھپتھپایا اور سوراخ میں اتر گیا۔ مبین اور پاشا رسی ڈھیلی کرنے لگے۔ اس وقت تہ خانے میں سترہ افراد تھے۔ سجاد کے ساتھ جو قیدی تھے، وہ ایک طرف بیٹھے تھے۔ چہرے سے وہ معمولی قسم کی سوچ رکھنے والے انسان لگتے تھے۔ انہیں حالات کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ مقصود تیزی سے سوراخ میں نیچے جارہا تھا۔ اسے حیرت تھی پائپ اندر سے صاف اور خشک تھا۔ اسے پھسلنے میں کوئی دشواری نہیں ہورہی تھی۔ تقریباً دو منٹ میں اس کے پیر مٹی سے ٹکرائے۔ سوراخ نیچے سے بند تھا۔ اس کا دل رک سا گیا۔ اگر سوراخ کے سامنے مٹی جم گئی تھی تو وہ کسی طرح باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ لوہے پر جماتے ہوئے پیر سے زور دیا مٹی ہلنے لگی۔ اس نے مزید زور لگایا اور سوراخ کے منہ پر جم جانے والا مٹی کا ٹکڑا نیچے جا گرا۔ اگلے ہی لمحے وہ پائپ سے باہر تھا۔ یہ جگہ ڈھلان کے آخری حصے سے ذرا اوپر تھی۔ اس نے رسی کھول کر اسے زور سے جھٹکا دیا۔

"سوراخ کھلا ہے۔" پاشا خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ اس بار انہوں نے گل کی کمر سے رسی باندھی۔ وہ ڈر رہی تھی لیکن پاشا نے آرام سے اسے دھکا دے دیا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور پائپ میں تیزی سے نیچے اترنے لگی۔ وہ تیزی سے رسی ڈھیلی کررہے تھے۔ اس بار ان کو جلد رسی واپس مل گئی۔ انہوں نے طے کرلیا کہ پہلے عورتیں جائیں گی۔ گل کے بعد رخسانہ گئی اور جب ثمینہ کا وقت آیا تو اس نے بچوں کے بغیر جانے سے انکار کردیا۔ مجبوراً پہلے رمیض اور..... کو بھیجا گیا۔ جب ثمینہ جارہی تھی تو اس وقت اوپر سے سوراخ سے ایک دھوئیں کا بم اندر آ گرا۔

"وقت نہیں ہے۔" پاشا چلایا "جلدی کرو۔"

انہوں نے رسی تقریباً ڈھیلی چھوڑ دی۔ ثمینہ چیختی ہوئی نیچے جا گری تھی۔ نرم مٹی کی وجہ سے اسے چوٹ نہیں آئی تھی۔ مبین نے مسز کرمانی کی طرف دیکھا۔ اسے یہ تو خیال ہی نہیں آیا تھا کہ مسز کرمانی کیسے جائیں گی۔ سوراخ صرف بیس انچ قطر کا تھا۔ اس نے پاشا اور سجاد کے باقی ساتھیوں کو اشارہ کیا "تم لوگ ایسے ہی جاؤ جلدی۔"

سجاد کے ساتھی ایک ایک کرکے کودنے لگے۔ وہ تیزی سے پھسلتے ہوئے نیچے جارہے تھے۔

"اور تم؟" پاشا نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں آجاؤں گا تم جاؤ۔" مبین نے کھانستے ہوئے کہا گیس کا اثر بڑھ رہا تھا۔ پاشا بھی کود گیا۔ مبین نے سجاد سے بھی کہا، وہ بھی جائے۔ اس نے دیکھا تہ خانے میں بس تین آدمی بچے تھے۔ اس نے بھی مبین سے وہی سوال کیا۔ اس نے اسے بھی وہی جواب دیا کہ میں آرہا ہوں۔ تم جاؤ۔ سجاد رائفل سمیت سوراخ میں اتر گیا۔ مبین مسز کرمانی کے پاس گیا۔ "اب آپ جائیں۔"

"نہیں پہلے یہ جائیں گے۔"

"خاتون لیڈیز فرسٹ ہوتی ہے۔" کرمانی صاحب ہنسے "ساری عمر آپ یہی یاد دلاتی رہی ہیں۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔" مسز کرمانی نے رونا شروع کردیا۔

"میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔" کرمانی صاحب نے انہیں تسلی دی "دیر مت کرو ورنہ گیس کے اثر سے بے ہوش ہوجاؤ گی۔"

انہوں نے سمجھا بجھا کر مسز کرمانی کو سوراخ میں اتار دیا۔ انہیں ذرا سی دقت ہوئی۔ وہ رک رک کر نیچے جانے لگیں۔ مبین نے کرمانی صاحب کی طرف دیکھا تو وہ مسکرائے۔

"وہ تو عورت ہے اس کی سمجھ ہی کہاں ہوتی ہے تم تو سمجھ دار آدمی ہو۔ اتنے چوڑے شانوں کے ساتھ کیا میں اس سوراخ میں جاسکتا ہوں۔ اب تم اتر جاؤ اسے بھی پیچھے سے دھکا دیتے رہنا۔"

UrduPhotos.com

مبین کی کھانسی گیس کے اثر کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی مجبوراً وہ مسز کرمانی کے پیچھے سوراخ میں اتر گیا۔ اسے خود کو روکنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ مسز کرمانی اسے نصف راستے میں ملیں۔ ان کے پیر ان کے شانے سے ٹکرائے تو وہ چلائیں۔ آواز اس طرح گونجی کہ مبین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے پیروں سے مسز کرمانی کو نیچے دھکیلتا رہا۔ اب گیس کا اثر پائپ میں بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے کرمانی صاحب کا افسوس ہو رہا تھا۔ وہ واقعی اس سوراخ میں نہیں آسکتے تھے۔ آخر مسز کرمانی پائپ سے نکل گئیں۔ مبین نے کوشش کر کے خود کو ان پر گرنے سے روکا۔ اسے دیکھ کر وہ چلائیں۔

''کرمانی صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ آرہے ہیں۔'' مبین نے انہیں تسلی دینا چاہی لیکن انہوں نے رونا شروع کر دیا۔

وہ سب ایک جگہ جمع تھے۔ پاشا اور گل آپس میں اس رقم کے بارے میں بات کر رہے تھے جو اوپر رہ گئی تھی جب تک جان پر بنی رہی انہیں رقم کا اتنا خیال نہیں آیا تھا لیکن آزاد فضا میں سانس لیتے ہوئے انہیں رقم کی یاد آرہی تھی۔ پاشا نے اوپر کی طرف دیکھا۔ یہ تقریباً سیدھی ڈھلان تھی۔ مسز کرمانی روئے اور چلائے جارہی تھیں کہ کرمانی صاحب نہیں آئیں گے۔

''انہوں نے مجھے بے وقوف بنایا اور تم نے بھی۔'' وہ مبین پر چلائیں۔

''اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔'' سجاد نے کہا اس جگہ وہ آسانی سے اوپر سے برسائی گولیوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔ مقصود اور ثمینہ ثنا کے بارے میں فکرمند تھے۔ ان کی پارٹی میں بے فکر سجاد کے چار ساتھی تھے یا سعد جس کا منہ بدستور چل رہا تھا۔ انہوں نے ڈھلان سے اترنا شروع کر دیا۔ مرد عورتوں کو سہارا دے رہے تھے۔ مسز کرمانی کو مبین نے سہارا دے رکھا تھا۔ رخسانہ سجاد کے سہارے نیچے اتر رہی تھی۔ وہ اس نوجوان سے متاثر تھی جو قیدی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ رخسانہ نے اپنے پھٹ جانے والے سوئٹر کو کھینچ تان کر شانے پر کر لیا تھا۔ مگر حالات ایسے تھے کہ کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ پاشا اور گل سب سے پیچھے تھے۔ وہ آپس میں بحث کر رہے تھے۔

پاشا نے اس سے کہا ''گل ہمارے لیے وہ رقم بے حد ضروری ہے۔ اب میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ کہیں سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔ گھر بسانا چاہتا ہوں۔ کسی پیاری سی لڑکی کے ساتھ اور اس کے لیے رقم ضروری ہے۔''

اس کی بات پر گل کے چہرے پر دھنک بکھر گئی تھی لیکن پاشا کا ارادہ جان کر دھنک غائب ہو گئی۔ پاشا واپس اوپر جا کر رقم کا بیگ لانا چاہتا تھا۔ گل نے کہا ''میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ رقم سے زیادہ ضروری تمہاری زندگی ہے۔ وہ لوگ درندے ہیں۔''

''میں بالکل چھپ کر جاؤں گا۔ عقبی حصے سے چڑھوں گا۔ میں چھت کے راستے نیچے جاؤں گا اور اپنا بیگ لے کر اس راستے سے لوٹ آؤں گا۔''

گل مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی اور پاشا اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف مبین مسز کرمانی کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

اندر سے دھواں اب باہر آنے لگا تھا۔ زرک جان اور شیر گل نے چہرے پر گیس ماسک لگا لیے۔ یہ بھی انہیں پولیس دین سے ملے تھے۔ انہیں یقین تھا۔ اندر موجود کوئی فرد ہوش میں نہیں ہوگا۔ دروازے کے ٹوٹ جانے والے حصے سے انہوں نے ہاتھ ڈال کر دروازہ کھول دیا۔ کچھ دیر گیس کم ہونے کا انتظار کرتے رہے پھر اندر داخل ہو گئے۔ فوراً ہی زرک جان کی نظروں نے بھانپ لیا تہ خانہ خالی تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر تہ خانہ واقعی خالی تھا۔ اس نے چیخ کر کہا ''یہ لوگ کہاں گئے؟''

''استاد۔ وہ دیکھو۔'' شیر گل نے زمین میں کھلے سوراخ کی طرف اشارہ کیا ''وہ اس سے فرار ہوئے ہیں۔''

''لیکن یہ ایک ہے۔'' زرک جان نے دیوار کے ساتھ بے ہوش پڑے کرمانی صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

''میرا خیال ہے وہ اس سوراخ کے ذریعے وادی میں اتر گئے ہیں۔ پانچوں قیدی بھی ان کے ساتھ ہیں۔''

زرک جان مضطرب ہو گیا تھا ''اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو ہمارے لیے پھانسی کا پھندا بن جائیں گے۔ انہیں مارنا ضروری ہے۔ ان سب کو ختم کر دینا چاہیے۔''

''ریشم خان اور باقی دو کو ان کے پیچھے بھیج دیتے ہیں۔'' شیر گل نے تجویز پیش کی۔

''پہلے اسے اٹھاؤ۔ ایسا نہ ہو یہ بھی مر جائے۔'' زرک جان نے کرمانی صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں انہیں اٹھا کر بہ مشکل اوپر تک لے آئے۔ زرک جان نے اپنے ساتھیوں کو سوراخ سے نکل جانے والوں کے عقب میں جانے کو کہا اور انہیں سب کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ ریشم جان اور اس کے دو ساتھی گیس ماسک لگا کر تہ خانے میں اتر گئے۔ شیر گل

UrduPhoto.com

کرمانی صاحب کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ صرف بے ہوش تھے ان کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ زرک جان کے خیال میں ان کے پاس یرغمالی ہونا ضروری تھا۔ ورنہ پولیس انہیں بے دریغ اڑا کر رکھ دیتی۔ بقیہ تین کو بھیجنے کا مقصد فرار ہونے والوں کو مارنا تھا لیکن اس سے بھی اہم مقصد اس جگہ موجود افراد کی تعداد کو کم کرنا تھا تاکہ ساڑھے چار لاکھ کی اس رقم کے کم سے کم حصے دار باقی رہ جائیں۔ اب ان میں سے کوئی واپس نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ شیر گل نے اس سے حصہ مانگنے کی کوشش کی تو وہ اسے بھی اڑا دے گا۔

☆☆☆

ثنا اور بابر پہاڑی کے اوپری کنارے پر سفر کر رہے تھے۔ بابر کے پاؤں کی حالت پہلے سے بہتر تھی لیکن وہ اب بھی ثنا کا سہارا لے رہا تھا۔ اس کا نرم و نازک سا سہارا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اس مختصر سے سفر میں انہوں نے ڈھیروں باتیں کر لی تھیں۔ بابر اسے بتا رہا تھا کہ وہ انجینئرنگ کر رہا ہے۔ دو سال بعد وہ انجینئر بن جائے گا اور اپنے باپ کا الیکٹرونکس کے پرزے بنانے کا کارخانہ سنبھال لے گا۔ ثنا نے اسے بتایا کہ وہ فرسٹ ائیر میں تھی۔ حال ہی میں اس نے کالج میں داخلہ لیا تھا۔ وہ اسے ماں باپ اور بھائیوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ ہلکی دھوپ میں وہ ایک چٹان کے پاس زیبر گھاس پر بیٹھ کر ستانے لگے۔ بابر نے اچانک پوچھا۔

"کیا تم انگیج ہو۔ آئی مین؟"

"نہیں۔" ثنا نروس ہو گئی تھی۔ بابر نے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔

"اور کسی نے تمہیں اس طرح چھوا جیسے میں نے چھوا؟"

"چپ۔" وہ سرخ ہو گئی تھی "بدتمیز کہیں کے۔"

"بتاؤ نا۔" بابر نے اصرار کیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"بس تم سے بات نہیں کروں گی۔" وہ اٹھنے لگی تو بابر نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے بٹھا لیا۔

"آرام کرو۔ اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

وہ بے قرار ہو گئی "کیا تم خفا ہو گئے ہو؟"

"نہیں جان۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ شرما گئی تھی۔ بابر نے بڑی مشکل سے اسے بانہوں میں لینے کی خواہش پر قابو پایا تھا۔ اس کی نظر سر پر آ جانے والے سیاہ بادلوں پر پڑی۔ دھوپ ان کی وجہ سے ہلکی ہو گئی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔ اس علاقے میں گرمیوں کی بارشیں اس طرح ہی ہوتی ہیں۔ بابر جلدی سے اٹھا "چلو ثنا کوئی پناہ گاہ تلاش کریں۔ یہاں تو ہم بالکل بھیگ جائیں گے۔"

ثنا بھی موسم کے تیور دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ بابر کو سہارا دیے ڈھلان کے دوسری طرف اترنے لگی۔ اس وقت لال خان اور گورا خان ان سے صرف سو گز دور تھے۔

☆☆☆

ملیشیا پارٹی کا سربراہ صوبے دار کرم خان تھا۔ اسے اکرم شاہ کا پیغام مل چکا تھا۔ چھ افراد پر مشتمل ان کی پارٹی تیزی سے جنوب کی طرف حرکت کر رہی تھی۔ انہیں مفرور مجرموں کے بارے میں کہا گیا تھا کہ انہیں دیکھتے ہی نشانہ بنائیں۔ انہیں ذرا سا موقع بھی نہ دیں۔ "کل ایٹ سائٹ۔" یہ ہدایت انہیں وائرلیس پر ملی تھی۔ ایک جگہ رک کر انہوں نے ناشتا کیا تھا۔ اس وقت وہ ہائی وے سے چھ میل کے فاصلے پر دوسری پہاڑی تہ پر سفر کر رہے تھے۔ اچانک اس کے جوان مظہر حسین نے دوربین سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک شخص اس طرف آ رہا ہے۔"

اکرم خان نے جھپٹ کر اس سے دوربین لی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ "لڑکا ہے اور نہتا نظر آتا ہے لیکن سب تیار ہو جاؤ ابھی دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔"

یہ سنتے ہی اس کے جوانوں نے اردگرد جھاڑیوں اور پتھروں کے عقب میں پوزیشن سنبھال لی تھی۔ اکرم خان پتھر کے عقب سے آنے والے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ بے حد تیزی سے آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا اسے اپنے تعاقب کا خدشہ ہو وہ بار بار مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اکرم خان نے اس کے عقب میں دیکھا لیکن اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ پھر جیسے ہی لڑکا پاس آیا وہ پتھر کے عقب سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ پہلے تو لڑکا اسے دیکھ کر ڈر گیا پھر اس کی وردی دیکھ کر اسے تسلی ہوئی تھی۔

"ڈاکو اور ڈاکو ہمارا پیچا کر رہا ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

اکرم خان کو خاصا صبر کرنا پڑا تھا اس سے ساری بات اگلوانے کے لیے اور جب ساری صورتِ حال سمجھ لی تو اس نے تیزی سے حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا۔ وقت کم تھا۔

☆☆☆

"سنو..... مجھے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" مسز کرمانی نے چلتے چلتے اچانک مبین سے کہا۔ اس وقت وہ ڈھلان کے نچلے حصے میں پہنچ چکے تھے۔ مبین نے سر ہلایا۔

"لیکن جلدی..... ابھی ہم خطرے میں ہیں۔"

"بس پانچ منٹ۔" مسز کرمانی جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

سجاد تیزی سے واپس آیا تھا۔ ''کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا ''رک کیوں گئے ہو۔''

مبین نے مسز کرمانی کے بارے میں بتایا۔ سجاد مطمئن نہیں تھا ''یہ جگہ کھلی ہے اور زیادہ غیر محفوظ ہے۔ ہمیں جلد از جلد جنگل میں داخل ہو جانا چاہیے۔ اگر وہ ہمارے پیچھے آئے تو ہم مارے جائیں گے۔''

''وہ ہمارے پیچھے کیوں آئیں گے؟'' مبین نے حیرت سے کہا۔

''ایک تو انہیں یرغمالیوں کی ضرورت ہے لیکن زیادہ اہم ہم پانچ قیدی ہیں۔ ہم نے انہیں پولیس والوں کا قتل عام کرتے دیکھا تھا۔ ہم عینی گواہ ہیں۔ اگر وہ پکڑے گئے تو ہماری گواہی کے بعد ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہوگی۔''

بات مبین کی سمجھ میں آ گئی ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مسز کرمانی اب تک نہیں آئیں۔''

اس نے جھاڑی کے پاس جا کر مسز کرمانی کو آواز دی لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اس نے پھر پکارا۔ اس بار جواب نہ آنے پر اس نے تہذیب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جھاڑیاں ہٹا کر دیکھا۔ مسز کرمانی وہاں نہیں تھی۔

اچانک ثمینہ چلائی ''ارے وہ دیکھو۔'' وہ اوپر کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ سب دم بہ خود رہ گئے تھے۔ مسز کرمانی ڈھلان پر اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان کی تیزی قابلِ دید تھی۔ وہ جھاڑیوں اور پتھروں کے سہارے اوپر جا رہی تھیں۔ اس وقت وہ پچاس گز اوپر جا چکی تھیں۔

مبین چلایا ''مسز کرمانی واپس آئیں۔ آپ کہاں جا رہی ہیں۔ آپ بھی ماری جائیں گی۔'' مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اوپر جاتی رہیں۔ مبین اس طرف بڑھا۔ ''میں انہیں لاتا ہوں۔''

مگر سجاد نے اس کا بازو پکڑ لیا ''بھاگو۔'' اس نے سرسراتے لہجے میں کہا ''وہ لوگ آ رہے ہیں۔''

سب نے سوراخ سے گرتے جسموں کو دیکھا۔ وہ ان سے بہ مشکل دو سو گز کے فاصلے پر تھے۔ مبین نے چلا کر انہیں جنگل کی طرف بھاگنے کو کہا۔ سب جنگل کی طرف دوڑے۔ سجاد نے انہیں دور رکھنے کے لیے رائفل سے برسٹ مارا۔ وہ نیچے آنے کے بجائے وہیں اٹک گئے تھے۔ سجاد بھی الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ رئیسہ خان اور اس کے ساتھیوں نے سنبھلتے ہی نیچے بھاگنے والوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں ان کے آس پاس برس رہی تھیں۔ عورتیں چلا رہی تھیں۔ مرد انہیں پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ اس افراتفری میں کسی کو خیال نہیں آیا کہ پاشا ان کے ساتھ نہیں ہے۔

سجاد نے محسوس کیا کہ اگر وہ اس طرح آزادی سے فائرنگ کرتے رہے تو جلد کوئی نہ کوئی ان کا شکار ہو جائے گا۔ اس نے ایک پتھر کے پیچھے پوزیشن سنبھالتے ہوئے رائفل کو سنگل فائر لوڈ پر کیا۔ اس طرح رائفل کی حد بڑھ جاتی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس طرف رائفل کی نال کو گھمانا شروع کر دیا۔ اسے نشانے کی تلاش تھی۔ وہ لوگ بھی اوٹ میں تھے مگر ان میں سے کوئی نہ کوئی باہر ضرور آتا اور سجاد اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر ایک نے سر ابھارا اور فوراً نیچے کر لیا۔ سجاد کو نشانہ مل گیا تھا اس نے رائفل اس جگہ مرکوز کر لی۔ جیسے ہی سر دوبارہ ابھرا اس نے فائر کر دیا۔ سر غائب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس طرف سے فائرنگ رک گئی۔ اس نے ایک کو مار گرایا تھا۔ یہ مہلت کافی تھی وہ اٹھ کر پوری طاقت سے جنگل کی طرف دوڑا۔ اس وقت اکثر لوگ جنگل میں داخل ہو گئے تھے صرف مبین اور رخسانہ پیچھے تھے۔ سب سے پیچھے سجاد ہی تھا۔ اس لمحے اوپر سے پھر فائرنگ ہونے لگی۔ دوڑتے دوڑتے سجاد کو جھٹکا لگا اور اس کا بایاں شانہ بے جان سا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ ہلانا چاہا لیکن وہ بے جان گوشت کے لوتھڑے کی طرح جھولتا رہا اس کے جسم میں خوف کی سرد سی لہر دوڑ گئی اسے گولی لگ گئی تھی۔ ابھی تکلیف شروع نہیں ہوئی تھی مگر وہ کمر پر بہنے والے خون کو محسوس کر سکتا تھا۔ مبین نے جنگل میں داخل ہوتے ہی مڑ کر اس کی طرف دیکھا ''جلدی آؤ۔''

''آگے جاؤ۔'' سجاد چلایا ''یہ جگہ محفوظ نہیں ہے رکو مت!''

اوپر سے گولیاں برس رہی تھیں۔ اپنے ساتھی کے مارے جانے پر باقی دو پاگل ہو گئے تھے وہ مسلسل فائرنگ کر رہے تھے یہ سوچے بغیر کہ اس علاقے میں فائرنگ کی آواز کی گونج نہ جانے کہاں تک جائے گی۔ سجاد دوڑتا ہوا درختوں میں داخل ہو گیا۔ مبین وہیں رکا ہوا تھا۔ سجاد نے گہری سانس لیتے ہوئے اسے بتایا ''میرا خیال ہے میرے شانے پر گولی لگی ہے۔''

مبین فکر مند ہو گیا تھا۔ اب تک سجاد ہی ان کا تحفظ کرتا آیا تھا۔ اگر وہ زخمی ہو گیا تھا تو وہ مشکل میں پڑ جاتے۔ قاتل ان کے تعاقب میں تھے اور انہوں نے جس طرح نہتے لوگوں پر گولیاں چلائی تھیں، اس نے اسے دہلا دیا تھا۔ اس نے سجاد کا کرتہ اوپر کیا۔ اندر اس کی بنیان خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ وہ گولی کا زخم دیکھ کر دہل گیا تھا۔ گولی نے عضلات کو نقصان پہنچایا ہی تھا۔ ساتھ ہی سجاد کے شانے کی ہڈی بھی توڑ دی تھی۔ مبین نے اپنی بنیان اتار کر اس کی گدی سی بنا کر اسے زخم پر رکھ

UrduPhoto.com

دیا۔ خون روانی سے بہہ رہا تھا اور سجاد نقاہت محسوس کرنے لگا تھا۔ گدی رکھ کر مبین نے اس کی خون آلود بنیان سے پٹیاں پھاڑ کر اس کے شانے پر باندھ دی تھیں۔

''رکو مت.....! بس اب چلو۔'' سجاد نے رائفل بیلٹ کی مدد سے دائیں شانے پر ٹانگ لی۔ اس طرح کہ اس کا ہاتھ ٹریگر پر ہی تھا۔ وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا لیکن چل سکتا تھا۔ باقی لوگ خاصا آگے نکل گئے تھے اس کے ساتھ بس رخسانہ اور مبین تھے۔ سجاد کو معلوم تھا وہ لوگ پیچھے ضرور آئیں گے۔ وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

☆☆☆

پاشا خاموشی سے بائیں طرف ڈھلان کے ساتھ پھیلی جھاڑیوں میں ہو گیا تھا۔ گل نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے درشت لہجے میں اسے منع کر دیا۔

''کسی کو اس بارے میں بتانا نہیں۔ اوپر اب صرف دو آدمی ہیں۔ مجھے اتنا خطرہ نہیں ہے۔ اگر میں نے اپنا اسلحہ حاصل کر لیا تو میں انہیں جہنم رسید بھی کر سکتا ہوں اس طرح ہم پولیس کے سامنے ہیرو بن جائیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ وہ اس طرح اوپر جا رہا تھا کہ اوپر یا نیچے سے کسی کی نظر میں نہ آئے۔ ہوٹل کی کسی بالکونی سے بہ آسانی نیچے دیکھا جا سکتا تھا۔ اسی لمحے جیسے قدرت نے اس کی مدد کی دھوپ غائب ہو گئی اور اس کی جگہ گھنے سیاہ بادلوں نے لے لی۔ روشنی بے حد کم ہو گئی تھی۔ وہ دعا کرنے لگا کہ بارش شروع ہو جائے اس طرح اسے اوپر جانے میں بے شک ذرا دشواری ہوتی لیکن بارش اسے کیموفلاج کر دیتی۔

اس کی دعا قبول ہوئی پہلے ہلکی اور پھر تیز بارش ہونے لگی۔ اس وقت وہ ہوٹل کی عمارت سے کوئی سو گز نیچے تھا۔ یہاں پر ڈھلان زیادہ تھی اور اس پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ وہ رک رک کر اور پوری طرح دیکھ کر ہی اوپر جا رہا تھا۔ ایک جگہ وہ پھنس گیا۔ یہاں سوائے چھ فٹ لمبی دیوار جیسی چٹان کے کچھ نہیں تھا۔ کوشش کے باوجود اس کے ہاتھ چٹان کا کنارہ پکڑنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ اسے اچھلتے ہوئے ڈرنگ رہا تھا۔ اس کا پیر پھسل جاتا تو وہ نیچے جا کر ہی رکتا مگر اوپر جانا بھی تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور پھسلتی مٹی پر خود کو پوری طاقت سے اوپر کی طرف اچھالا۔ اس کے پنجوں تلے مٹی کھسکی۔ اس نے ہاتھ لہرائے اس سے پہلے وہ نیچے گرتا اس کے ہاتھ کنارے پر جم گئے تھے پھر اسے اوپر چڑھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔ اب وہ ہوٹل کی عقبی دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اس کے سر کے عین اوپر نچلی منزل کی کھڑکیاں تھیں۔ اگر کوئی ان سے جھانکتا تو اسے صاف دیکھ سکتا تھا۔ اسے چھت تک جانا تھا اور دیوار میں کوئی رخنہ نہیں تھا جس کی مدد سے وہ اوپر چڑھ سکتا۔ اس نے ذرا سا پیچھے ہٹ کر دیکھا۔ اچانک اس کی نظر اوپر ٹینکی سے آتے پائپ پر پڑی۔ یہ ایک انچ قطر کا پائپ تھا جو کلپس کی مدد سے دیوار سے لگا تھا۔ بس خطرہ یہ تھا کہ پائپ بے حد پرانا تھا۔ اس کے وزن سے نکل جاتا تو وہ خاصی بلندی سے نیچے جا گرتا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پائپ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جھٹکا دیا لیکن پائپ ہلا نہیں وہ اس پر چڑھنے لگا۔ گیلا ہونے کی وجہ سے پائپ اس کے ہاتھ سے سلپ ہو رہا تھا اگر دیوار میں لگے کلپ نہ ہوتے تو اسے بے حد دشواری ہوتی۔ معاً ایک کلپ اس کے پاؤں رکھتے ہی دیوار سے نکل گیا۔

☆☆☆

زرک جان چونکا ''یہ کیسی آواز تھی؟'' اس نے شیر گل سے کہا۔ وہ کچن میں تھے۔

وہ چائے بنا رہے تھے کرمانی صاحب کو ہوش آ گیا تھا اور بظاہر بے فکر نظر آنے کے باوجود اندر سے بے حد فکر مند تھے۔ زرک جان نے انہیں بتایا تھا کہ اس کے آدمی فرار ہونے والوں کے پیچھے گئے ہیں۔ جلد وہ انہیں پکڑ لائیں گے مگر کرمانی صاحب جانتے تھے وہ انہیں مار دیں گے۔ انہیں حیرت تھی کہ انہوں نے انہیں کیوں زندہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی تھی کہ وہ انہیں یرغمال بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔

''مجھے کوئی آواز نہیں آئی۔'' شیر گل بولا۔

''باہر کسی چیز کے ٹوٹنے جیسی آواز آئی ہے۔'' زرک جان نے اصرار کیا۔

''بارش ہو رہی ہے اوپر سے کوئی چیز گری ہو گی۔'' کرمانی صاحب بولے ''ویسے بھی پرانی عمارت ہے اس میں توڑ پھوڑ ہوتی رہتی ہے۔ یہ بھی ایسی ہی کوئی آواز ہو گی۔''

مگر زرک جان مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے باورچی خانے کے عقب میں کھلنے والی کھڑکی سے باہر جھانکا مگر نیچے اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اگر وہ اوپر دیکھ لیتا تو اسے دوسری منزل پر پائپ سے چپکا پاشا نظر آ جاتا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اندر کر لیا اور کھڑکی بند کر دی۔ پاشا نے سکون کا سانس لیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر کھپریل کی چھت تھی لیکن اس کی سائیڈ میں ذرا سی جگہ تھی۔ اس پچھبے سے وہ گھوم کر اگلے حصے میں واقع چھت پر پہنچا اور زینوں والے راستے سے نیچے جھانکا۔ دروازہ کھلا تھا ورنہ اس کے لیے ایک مسئلہ اور ہو جاتا۔ البتہ اندر جا کر مسئلہ ہوا جب اس نے سارے دروازوں کو لاک پایا۔ یہ کام زرک جان کا

تھا۔ اس نے ساری چابیاں اپنے قبضے میں کرلی تھیں تاکہ کوئی اور کمروں میں نہ جاسکے اور اتفاقاً بھی رقم نہ دیکھ لے۔ پاشا سارے دروازوں پر طبع آزمائی کرنے لگا۔ اتفاق سے آخری کمرے کے دروازے کو زرک جان دیکھنا بھول گیا تھا اور یہ کھلا تھا۔

اندر آکر پاشا نے اس کی کھڑکی کھولی۔ اس سے چھوٹی کھڑکی اس کے کمرے کی تھی۔ اسے نہیں یاد کہ وہ کھلی تھی لیکن اس پر شیشہ تھا۔ لوہے کی گرل نہیں تھی۔ وہ کوشش کرتا تو اسے کھول سکتا تھا۔ اس نے کمرے سے ایک گلدان اٹھایا اور اس پر تکیے کا غلاف لپیٹا اور باہر چھجے پر قدم رکھا۔ آہستہ آہستہ سرکتا وہ اپنے کمرے کی کھڑکی تک گیا پھر اس نے کپڑا لپٹے گلدان سے شیشے پر ضرب لگائی شیشہ بے آواز طریقے سے بکھر گیا۔ وہ اندر جانے کے لیے تیار تھا کہ اچانک گلدان اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ تیسری منزل سے نیچے گر کر وہ بکھر گیا۔ پاشا جلدی سے اندر داخل ہوگیا۔

اس بار آواز اتنی واضح تھی کہ زرک جان کے ساتھ شیر گل بھی چونک گیا تھا۔ آواز ہوٹل کے سامنے والے حصے سے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی رائفلیں سنبھال لیں اور دروازے تک آئے۔ شیر گل نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ کوئی نہیں تھا۔ زرک جان نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔ باہر دور دور تک کوئی نہیں تھا پھر اس کی نظر کپڑے پر پڑی۔ اس نے کپڑا اٹھایا اس میں گلدان لپٹا تھا جو ٹوٹ گیا تھا۔ آواز اس کے گرنے کی تھی۔ زرک جان نے سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

پاشا نے پھرتی سے اپنا بیگ نکالا۔ اس میں ساری رقم اسی طرح رکھی تھی۔ اس نے سکون کی سانس لی۔ بیگ بند کرکے اس نے اٹھایا۔ معاً اس کی نظر اس کی سائیڈ پر پڑی۔ کسی نے چاقو سے اسے کاٹ دیا تھا اس کے بدن میں سرد سی لہر دوڑ گئی تھی۔ کسی نے بیگ میں رکھی رقم دیکھ لی تھی۔ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ زرک جان دروازے پر کھڑا تھا اور اس کی رائفل کی نال پاشا کی طرف اٹھی تھی۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''خوش آمدید۔ تم رقم لینے آئے ہو نا؟''

پاشا نے بیگ رکھ دیا اور سکون سے بولا ''دیکھو اس رقم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''تعلق تو تمہارا بھی نہیں ہے کیونکہ یہ سرکاری رقم ہے اور اب یہ میری ہے۔'' زرک جان نے رائفل کو جنبش دی ''اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو۔''

پاشا نے ہاتھ سر پر رکھ لیے ''سنو ہم معاملہ کرسکتے ہیں آدھی رقم کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

زرک جان نے قہقہہ لگایا ''جب میں پوری لے سکتا ہوں تو آدھی پر معاملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

زرک جان رائفل کی نوک پر اسے نیچے لے آیا۔ جہاں شیر گل کرمانی صاحب کی نگرانی کررہا تھا۔ اس نے پاشا کو آگے دھکیلا ''لو ایک اور بندہ مل گیا۔''

☆☆☆

سجاد کو احساس تھا کہ وہ زیادہ دیر نہیں بھاگ سکتا۔ اسے آرام کی ضرورت تھی۔ مسلسل حرکت کرنے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ایک جگہ رک کر جھاڑی سے پتے توڑے اور مبین سے کہا کہ انہیں اس کے زخم میں بھر دے۔ رخسانہ اور مبین اسے سہارا نہ دیتے تو وہ کب کا گر چکا ہوتا۔

''سنو۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا ''مجھے چھوڑو تم لوگ جاؤ۔ میں انہیں روکتا ہوں۔''

مبین سے پہلے رخسانہ نے نفی میں سر ہلایا ''ہم تمہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ تم زخمی ہو اور وہ دو ہیں۔''

''میری وجہ سے تمہاری رفتار بھی سست ہورہی ہے۔ اگر وہ ہمارے پاس آگئے تو تم دونوں بھی مارے جاؤ گے۔ ضد نہ کرو مجھے چھوڑو اور جاؤ۔ میں مروں گا نہیں۔'' سجاد رک گیا تھا۔ اس نے رائفل کا میگزین دیکھا اس میں ابھی نصف گولیاں تھیں۔ ایک ہاتھ سے وہ میگزین نہیں بدل سکتا تھا۔ اس نے مبین کی مدد سے میگزین بدلا۔

''دیکھا تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔'' رخسانہ بولی۔

''تم جاؤ۔'' مبین نے کہا ''میں سجاد کے ساتھ ہوں۔ انہیں رکنا ضروری ہے ورنہ وہ سب کو مار دیں گے۔''

''میں بھی رہوں گی۔'' رخسانہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ضد نہ کرو۔'' مبین کا لہجہ سخت ہوگیا ''یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

رخسانہ کا چہرہ بجھ گیا۔ مبین نے کبھی اس سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہی اکثر اس سے سخت انداز میں بات کرجاتی تھی۔ اب اسے احساس ہورہا تھا کہ سخت لہجہ محبت کرنے والے کے دل پر کیا قیامت ڈھاتا ہے۔ اس نے اپنے آنسو ضبط کیے۔ وہ جانے کے لیے مڑی تھی کہ گولیوں کا ایک برسٹ ان کے سروں پر سے گزر گیا۔ سجاد نے چھلانگ لگائی اور ان دونوں کو لیتا پاس ہی گڑھے میں جا گرا۔ مبین اور رخسانہ اس کے نیچے دب گئے تھے۔ اس نے انہیں نیچے دباتے ہوئے ذرا اٹھ کر اس

UrduPhoto.com

طرف ایک برسٹ مارا جدھر سے فائر ہوا تھا۔ ایک چیخ سنائی دی جس میں موت کا کرب تھا۔ ایک اور دشمن کم ہوگیا تھا۔ حالانکہ سجاد نے انہیں ڈرانے کے لیے برسٹ مارا تھا۔ رخسانہ نیچے دبی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

سامنے سے جھاڑیاں ہلیں اور اس میں سے مارے جانے والے کی لاش لڑھکتی ہوئی سامنے آ گری۔ سجاد کو مایوسی ہوئی یہ ریشم خان نہیں تھا۔ وہ پھر بچ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بے حد خطرناک آدمی ہے اس نے ہی چھ پولیس والوں کو بے دردی سے اس کے سامنے قتل کیا تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے یہ کام کیا تھا۔ اس نے سرگوشی میں رخسانہ اور مبین سے کہا۔

''نیچے رہو۔ سر اوپر مت کرنا۔''

''میں تمہارے نیچے دبی ہوں۔'' رخسانہ کراہی۔

''معاف کیجئے گا۔'' سجاد شرمندہ ہوگیا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا اس نے سرک کر اتنی جگہ بنائی کہ رخسانہ اور مبین اس کے نیچے سے نکل جائیں۔ گڑھے میں زیادہ گنجائش نہیں تھی اس کو آزادی سے حرکت کا موقع دینے کے لیے مبین اور رخسانہ ایک دوسرے میں سمٹ کر بیٹھ گئے۔ سجاد کی نگاہیں جھاڑیوں پر مرکوز تھیں۔ ریشم خان اس طرف موجود تھا۔ اسے معلوم تھا وہ بھی اس کی تاک میں تھا۔ جو بھی پہل کرتا وہی کامیاب ہوتا۔ سجاد سوچ رہا تھا کہ ناکامی کا مطلب صرف اس کی ہی نہیں بلکہ ان میاں بیوی کی موت تھا۔ اسے خود کو ہی نہیں ان دونوں کو بھی بچانا تھا۔

☆☆☆

مسز کرمانی ہانپتے کانپتے ڈھلان کے اوپر چڑھ رہی تھیں۔ تھکن سے ان کا برا حال تھا کئی بار وہ نیچے بھی پھسلیں۔ بارش کی وجہ سے زمین چکنی اور کیچڑ زدہ ہو رہی تھی۔ وہ جھاڑیاں پکڑ پکڑ کر اوپر جا رہی تھیں۔ ہوٹل کی سیدھ میں ڈھلان زیادہ ہی تھی اس لیے وہ ذرا دوسرے راستے سے اوپر جا رہی تھیں ان کے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ کرمانی صاحب اوپر تھے لہٰذا انہیں بھی اوپر ہونا چاہیے۔ کرمانی صاحب کے بغیر وہ خود کو ادھورا محسوس کر رہی تھیں۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اگر مجرموں نے کرمانی صاحب کو مار دیا تو وہ بھی مر جائیں گی۔

بعض جگہوں پر انہیں لگا جیسے وہ اوپر نہیں جا پائیں گی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی گئیں۔ مسلسل کیچڑ مٹی میں لت پت اوپر آتے ہوئے ان کا حلیہ خراب ہوگیا۔ بال چہرے پر چپک گئے تھے۔ بارش کا پانی رفتہ رفتہ انہیں دھو رہا تھا۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ہوٹل کی طرف بڑھنے لگیں۔ انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ وہاں سفاک مجرم موجود تھے انہیں صرف کرمانی صاحب کا خیال تھا۔ پارکنگ سے گزر کر انہوں نے ہوٹل کے دروازے پر دستک دی اور پھر ان کی ٹانگیں جواب دے گئیں وہ وہیں ڈھیر ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

ثنا اور بابر بارش میں بھیگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ثنا اب جھینپ رہی تھی۔ بھیگ کر اس کی قمیص بدن سے چپک گئی تھی اور اس کے خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔ اچانک بابر نے اپنی فل آستین کی شرٹ اتار کر اسے دے دی ''یہ پہن لو۔ تمہاری شرٹ پھٹ گئی ہے۔'' اندر اس نے ہاف آستین کی بنیان پہن رکھی تھی۔ ثنا ہچکچائی لیکن پھر شرٹ پہن لی۔ یہ بھی گیلی تھی لیکن پہلے سے بہتر ہی تھی۔ اس نے آہستہ سے بابر کا شکریہ ادا کیا۔ بابر مسکرایا تھا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

''تمہارے لیے میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں۔''

''میرے لیے کیوں؟'' وہ انجان بنی۔

''اگر اس مصیبت سے بچ نکلے تو پھر بتاؤں گا۔'' اس نے جواب دیا۔ اس وقت وہ ڈھلان کے درمیانی حصے میں تھے وہ بے خبر تھے کہ لال خان اور گورا خان نے ان کے قدموں کے نشان پا لیے تھے۔ ڈھلان کے اس طرف بارش رک گئی تھی اور گیلی زمین پر ان کے قدموں کے نشانات نمایاں ہو رہے تھے۔ ایک دوسرے کی قربت میں وہ خطرے کو بھی فراموش کر بیٹھے تھے۔ اچانک انہیں کسی کی چیخ سنائی دی۔

''وہ آ گئے!'' ثنا سہم کر بابر سے لپٹ گئی تھی۔

''آرام سے۔'' بابر نے اسے تھپکا ''اس طرف میں نے کسی غار کا دہانہ دیکھا تھا۔ ادھر چلو۔''

وہ تیزی سے اس طرف لپکے۔ چیخ گورا خان کی تھی۔ اس کا پیر ایک گڑھے میں چلا گیا تھا جو گھاس میں چھپا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ فرار ہونے والوں کے قریب ہی تھے۔ لال خان نے یقین سے بتایا تھا کہ ان میں سے ایک نشان کسی لڑکی کے پیر کا تھا۔ ان دونوں کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ زیادہ شدومد سے تعاقب کر رہے تھے۔

بابر کو وہ غار دوبارہ نظر آ گیا تھا۔ اس کا دہانہ چھوٹا تھا لیکن اندر سے یہ بڑا لگ رہا تھا۔ ثنا نے ڈرتے ڈرتے اندر دیکھا ''کہیں کوئی جانور نہ ہو۔''

''ان جانوروں سے بہتر ہی ہوگا جو پیچھے لگے ہیں۔'' بابر نے غار میں جاتے ہوئے کہا ''اندر آ جاؤ۔''

ثنا اس کا سہارا لے کر اندر آئی۔ غار بڑا تو تھا طویل بھی تھا۔ اس کا اندرونی حصہ مکمل طور پر تاریکی میں تھا۔ معاً انہیں باہر جھاڑیاں چٹخنے کی آواز آئی۔ بابر نے ثنا کو گھسیٹا اور غار کے

تاریک حصے کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ وہ خود کو بھی صرف محسوس کر سکتے تھے۔ ثنا سہمی ہوئی تھی کہ اچانک انہیں لگا جیسے تاریکی گہرے سانس لے رہی ہو۔

''یہ..... یہ کیسی آواز ہے؟'' ثنا بولی۔

آواز اچانک غراہٹ میں بدلی تو اس نے چیخ ماری اور بابر سے لپٹ گئی۔ آواز ان کے نزدیک آنے لگی۔ بابر نے بھلا کر ثنا کو واپس غار کے دہانے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ اس کے حلق سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں۔ غرانے کی آواز تیزی سے ان کے نزدیک آ رہی تھی اس سے پہلے وہ غار کے دہانے تک پہنچتے ایک دیوہیکل بھورے ریچھ نے ان کا راستہ روک لیا۔ یہاں نیم تاریکی میں اس کا جسیم وجود صاف نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ثنا کی سہمی ہوئی چیخیں فلک شگاف چیخوں میں بدل گئیں۔ اس پر ناراض ریچھ اور غضب ناک ہو گیا۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے پنجے اٹھا لیے تھے۔ بابر اور ثنا دیوار سے جا لگے۔

ثنا کی چیخوں سے چونک کر لال خان اور گوراخان غار کی طرف دوڑے۔ چیخیں اسی طرف سے آ رہی تھیں۔ وہ تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ چیخوں سے صاف ظاہر تھا کہ لڑکی خوف زدہ تھی۔ گوراخان نے سر کھجایا ''لڑکے نے اسے تو نہیں پکڑ لیا اے۔''

معالال خان کی نظر غار کے دہانے پر گوبر کے نشانات پر پڑی۔ وہ بولا ''او..... نہیں ادر بھالو اے۔''

اندر غضب ناک بھالو ان کی طرف بڑھتے بڑھتے اچانک چونکا۔ اس نے غار کے دہانے کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر اس طرف بھاگا۔ بابر حیران تھا کہ ریچھ کیوں بھاگا تھا۔ ثناء اس کے شانے میں منہ چھپائے چیخے جا رہی تھی۔ اس نے ثنا کو جھنجوڑا ''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ ریچھ چلا گیا ہے۔''

غضب ناک ریچھ نے باہر نکلتے ہی لال خان پر حملہ کر دیا۔ اس نے گھبرا کر رائفل سیدھی کر کے اس کا ٹریگر دبا دیا۔ رائفل برسٹ لوڈ پر تھی ریچھ چھلنی ہو گیا لیکن مرتے مرتے بھی وہ لال خان پر آ گرا۔ اس کے پنجے نے لال خان کا سینہ ادھیڑ دیا تھا اور اس کی پسلیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے۔ بدحواس گوراخان نے ریچھ کے نیچے دبے لال خان کی پروا کیے بغیر ریچھ پر فائرنگ شروع کر دی۔ کئی گولیاں اس کے سر میں اتریں تو وہ ساکت ہو گیا لیکن اتنی دیر میں اس نے لال خان کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اس پر بھی جان کنی کی کیفیت طاری تھی۔ گوراخان نے بمشکل اسے ریچھ کے نیچے سے نکالا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ لال خان بچتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اسے لڑکی کا خیال آیا وہ اپنے ساتھی کو بھول کر غار میں گھس گیا۔ بابر اور ثنا بدستور سہمے ہوئے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ ثنا نے وحشی نظر آنے والے گوراخان کو دیکھ کر پھر سے چیخنا شروع کر دیا۔ گوراخان غرایا ''چپ کرو!''

اس کی نظریں ثنا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لڑکی کے حسن نے اسے دم بخود رہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ کم سن تھی لیکن بے پناہ حسین تھی۔ گوراخان کے اندر وحشت نے سر اٹھایا اس نے رائفل لہراتے ہوئے بابر کو لڑکی سے الگ ہو جانے کا حکم دیا۔ اس کی آنکھوں میں لپکتے شعلے دیکھ کر ثنا اور بابر دونوں ہی سمجھ گئے تھے کہ وہ یہ حکم کیوں دے رہا تھا۔ وہ بابر کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ثنا اس کے عزائم کو بھانپ کر بابر سے اس طرح لپٹ گئی کہ اس نے اسے اپنے جسم کے عقب میں چھپا لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ چیخے جا رہی تھی ''نہیں..... نہیں.....''

''ہٹ جاؤ!'' گوراخان دھاڑا اس نے انہیں ڈرانے کے لیے ہوا میں برسٹ مارا۔

''نہیں..... تم ہم دونوں کو مار دو۔'' ثنا چیخی۔

''تو اس طرح نہیں مانے گا۔'' گوراخان نے دانت پیسے۔ اس نے آگے بڑھ کر رائفل بابر کے سر سے لگائی اور ٹریگر دبا دیا۔ غار کی فضا دھماکے سے گونج اٹھی تھی۔ اس میں ثنا کی چیخ دب کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

پاشا سکون سے کچن کی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ زرک جان اور شیر گل مضطرب سے تھے۔ غالباً وہ دن میں اس جگہ سے نہیں نکلنا چاہتے تھے۔ پولیس اور ملیشیا ان کی تلاش میں تھی۔ پاشا نے اچانک پوچھا ''کیا تم اس رقم کو لے کر نکلنے میں کامیاب ہو سکو گے؟'' اس کے لہجے میں چبھن تھی۔ شیر گل چونکا۔

''کیسی رقم؟''

پاشا مسکرایا ''یہ اپنے سردار سے پوچھو کیا اس نے تمہیں رقم کے بارے میں نہیں بتایا؟''

''بکواس بند کرو۔'' زرک جان غرایا تھا۔

''زرک جان یہ کون سی رقم کی بات کر رہا ہے؟'' شیر گل نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''تم اپنے کام سے کام رکھو۔'' زرک جان رکھائی سے بولا۔

''ہم سب ساتھ ہیں۔ اکٹھے بھاگے ہیں۔ پریشانی برداشت کر رہے ہیں اور اب تم کہہ رہے ہو میں اپنے کام سے کام رکھوں۔''

زرک جان نے محسوس کرتے ہوئے کہ معاملہ بگڑ رہا ہے

اس نے لہجہ بدل کر نرمی سے کہا ''شیر گل مجھے اوپر کچھ رقم ملی ہے لیکن ابھی اس کے بارے میں بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ تو جانتا ہے میں نے کسی کا حصہ کبھی نہیں مارا۔''

شیر گل چپ تھا لیکن اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ مطمئن نہیں تھا۔ زرک جان اسے چوکس رہنے کا کہہ کر کچن سے باہر چلا گیا۔ شیر گل نے ذرا دیر بعد اس کی طرف دیکھا ''کتنی رقم ہے؟''

''دس لاکھ۔'' پاشا نے مبالغے سے کہا۔

شیر گل کی آنکھیں پھیل گئی تھیں ''دس لاکھ روپے اور زرک جان اسے معمولی رقم کہہ رہا ہے۔''

''شاید اس کے لیے معمولی ہو لیکن نہیں ورنہ وہ تم سے چھپاتا کیوں..... اور اوپر کمرے کا دروازہ لاک کیوں کرتا۔'' پاشا رفتہ رفتہ شیر گل کے ذہن میں بغاوت کا بیج بو رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنی پتلون کی عقبی جیب میں رکھے چاقو کی طرف ہاتھ لے جا رہا تھا لیکن اتنے غیر محسوس انداز میں کہ شیر گل کو پتا بھی نہیں چل رہا تھا۔ یہ کھٹکے سے بند ہو جانے والا چاقو تھا۔ بٹن دباتے ہی اس کا پھل باہر آ جاتا تھا۔ شیر گل سوچ میں تھا۔ اچانک اس نے چونک کر پاشا کی طرف دیکھا۔

''تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟''

''تم نے زرک جان کا ردِعمل دیکھا تھا؟'' پاشا نے الٹا سوال کیا ''وہ رقم میری ہے زرک جان اس پر قابض ہو گیا ہے اور اکیلے ہی یہ ساری رقم ہضم کر جانا چاہتا ہے۔''

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' شیر گل کے لہجے میں غضب کی دبی دبی چنگاری تھی۔

پاشا مسکرایا ''وہ ایسا کر رہا ہے اور یہ خوش فہمی دل سے نکال دو۔ ورنہ ابھی اپنا حصہ مانگ کر دیکھ لو۔''

''تم اپنا منہ بند رکھو۔'' شیر گل نے اسے جھڑک دیا لیکن وہ سوچ میں تھا۔ پاشا نے اپنا ہاتھ پتلون کی جیب پر رکھ لیا تھا آہستہ سے انگلی سے چاقو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر جینز کی پتلون کی عقبی جیب خاصی ٹائٹ ہوتی ہے۔ اسے کوشش کرنا پڑ رہی تھی اور یہ ڈر بھی تھا کہ اس کوشش کو شیر گل نہ تاڑ لے۔ خاصی جدوجہد کے بعد وہ چاقو تک اپنی دو انگلیاں پہنچا سکا تھا اور اب چاقو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیر گل اس کی طرف متوجہ نہیں تھا البتہ کرمانی صاحب نے بھانپ لیا تھا کہ وہ کچھ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انہوں نے آنکھوں میں اسے منع کیا لیکن ظاہر ہے پاشا ان کے کہنے سے اپنی کوشش ترک نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے چاقو تقریباً باہر نکال لیا تھا جب شیر گل چونکا ''تم کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ مسکرایا ''آرام سے کھڑا ہوں۔''

''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ ہاتھ آگے کرو۔'' شیر گل نے مطالبہ کیا۔ پاشا کا سانس رک گیا تھا۔

☆☆☆

ریشم خان اس کی توقع سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہا تھا وہ بغیر فائر کیے اور اپنی پوزیشن ظاہر کیے بنا اپنی جگہ پر دبکا ہوا تھا۔ دوسری طرف سجاد بھی حرکت نہ کرنے پر مجبور تھا لیکن وقت اس کے ہاتھ سے تیزی سے پھسل رہا تھا۔ اس کے بدن سے مسلسل بہنے والے خون نے اسے نقاہت سے دوچار کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا سا آ جاتا تھا ایسا ایک دو لمحے کے لیے ہی ہوتا تھا لیکن اس صورتِ حال میں یہ ایک دو لمحے ہی بازی پلٹ سکتے تھے۔ وہ بے ہوش ہو جاتا تو مبین یا رخسانہ کو رائفل چلانی نہیں آتی تھی۔ ریشم خان کو ان پر قابو پانے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

''میں کمزور ہو رہا ہوں۔'' سجاد نے دھیمی آواز میں ان دونوں سے کہا ''تم دونوں یہاں سے جانے کی کوشش کرو۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' رخسانہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اور میں بھی.....'' مبین نے گہری سانس لی ''ہم تمہیں اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔''

''وقت نہیں ہے۔'' سجاد جھنجلا گیا تھا ''وہ مردود چھپا بیٹھا ہے۔''

''کیا ہم اسے نکالنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔'' رخسانہ بولی تو مبین نے چونک کر کہا۔

''کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ ہماری طرف سے کسی حرکت کا منتظر ہے۔ میں جھاڑیوں میں کچھ کر جھاڑیاں ہلاؤں گا تو وہ فائر کرے گا۔''

''ہرگز نہیں۔'' سجاد نے منع کیا ''اس کے پاس خودکار رائفل ہے اور یہاں پر بچنے کے لیے کوئی آڑ بھی نہیں ہے۔''

''میں یہ کام کروں گی۔'' رخسانہ بولی۔

''گڈ آئیڈیا۔'' اس بار مبین نے کہا پھر سوچتے ہوئے بولا ''ایک ترکیب ہے۔ میں پتھر اچھالتا ہوں۔''

''اگر وہ نیچے دیکھ رہا ہو تو اسے معلوم ہو جائے گا پھر وہ سیدھا اس طرف فائر کرے گا۔'' سجاد بولا اور سر جھٹکنے لگا۔ اس کی آنکھوں تلے پھر اندھیرا سا آ گیا تھا۔ مبین نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔ میں نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔ تم دونوں

UrduPhoto.com

یہاں سے نکل جاؤ۔'' سجاد بولا پھر چونکا ''یہ رخسانہ کہاں ہے؟''

مبین نے مڑ کر دیکھا۔ رخسانہ رینگتی ہوئی جھاڑیوں میں جارہی تھی ''رخسانہ!'' اس نے پکارا ''احمق عورت واپس آؤ۔''

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس کے عزائم واضح تھے۔ مبین نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش کی مگر سجاد نے اسے روک لیا۔

''نہیں..... وہ ہلکے جسم کی ہے اس لیے جھاڑیاں حرکت نہیں کررہی ہیں تم گئے تو جھاڑیاں ہلیں گی اور اسے نشانہ مل جائے گا۔ ساکت رہو۔''

یہ کہتے ہوئے سجاد نے رائفل کا رخ اوپر کی طرف کیا اور اس کی انگلی ٹریگر پر جم گئی اور نگاہیں اوپر جھاڑیوں پر مرکوز تھیں۔ رخسانہ نے کوئی حرکت کی۔ اس نے جھاڑیاں ہلائیں یا کچھ اور کیا۔ سجاد کو نہیں معلوم تھا بس اس نے اوپر ایک جھاڑی سے سرخ انگارے نکلتے دیکھے۔ اس کی رائفل اس طرف مرکوز ہوئی اور اس نے ٹریگر دبا دیا۔ اسے نہیں معلوم کہ کب میگزین خالی ہوگیا اس کی آنکھوں تلے ایک بار پھر اندھیرا سا آگیا تھا۔ اس کے کانوں نے کسی کے چلانے کی آواز سن لی تھی لیکن اسے نہیں معلوم کہ یہ چیخ کس کی تھی۔ وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔

☆☆☆

پاشا نے اپنا ہاتھ سامنے کیا ''دیکھ لو اس میں کچھ نہیں ہے۔''

شیر گل بدستور اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتا رہا ''تم بہت چالاک آدمی ہو۔''

''تم جو سمجھ لو..... کیا اب میں ہاتھ نیچے کرلوں۔''

شیر گل نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی لمحے کسی نے باہر دروازہ کھٹکھٹایا پھر دھم کی آواز آئی شیر گل نے چونک کر کچن کے دروازے کی طرف دیکھا اسی لمحے پاشا کے ہاتھ سے چاقو نکل کر اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ جب شیر گل نے اسے ہاتھ دکھانے کو کہا تو اس نے مہارت سے چاقو اپنی جیکٹ کی آستین میں کرلیا تھا اور جیسے ہی شیر گل کی توجہ اس پر ہٹی تو اس نے نیچے ہاتھ سے چاقو پھینک کر مارا۔ اس کی خوش قسمتی کہ چاقو شیر گل کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ اس نے حیرت سے اپنے پیٹ میں پیوست چاقو کی طرف دیکھا پھر اس نے رائفل پاشا کی طرف گھمائی اس نے فرش کی طرف غوطہ مارا۔ اس بار کرمانی صاحب نے کام دکھایا۔ جیسے ہی شیر گل نے فائر کرنا چاہا انہوں نے پاس ہی رکھا فرائی پین اس کے ہاتھ پر کھینچ مارا۔ اس کا ہاتھ بہکا اور ساری گولیاں سامنے دیوار پر لگی تھیں۔ اس سے پہلے شیر گل دوبارہ فائر کرتا، پاشا نے نیچے سے اوپر آتے ہوئے اس کی رائفل پر ہاتھ مارا۔ اس بار گولیوں کی بوچھاڑ چھت کی طرف گئی۔ اس کے ساتھ ہی پاشا نے اپنا چاقو کھینچتے ہوئے اسے شیر گل کے سینے میں پیوست کردیا۔ چاقو دل میں اترا تھا اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ وہ آنکھوں میں حیرت لیے ڈھیر ہوگیا۔ پاشا سے جھپٹ کر اس کی رائفل اٹھائی اور اس کا میگزین چیک کرکے دروازے کی طرف لپکا۔ زرک جان سامنے سے آرہا تھا، پاشا کے ہاتھ میں رائفل دیکھتے ہی وہ جست لگا کر سیڑھیوں والے حصے پر جا گرا۔ رائفل سے نکلا برسٹ اس کے پاس سے گزر گیا۔ پاشا جانتا تھا کہ وہ بچ گیا ہے اس لیے اس نے اندھا دھند اس طرف جانے سے گریز کیا۔ اسے زرک جان کے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ اس کے باوجود اس نے سامنے جانے سے گریز کیا۔ یہ دھوکا بھی ہوسکتا تھا۔ وہ زرک جان جیسے گھاگ مجرم سے ایسی بدحواسی کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ کرمانی صاحب نے اس طرف جانے کی کوشش کی تو پاشا نے انہیں روک لیا۔

''آرام سے جناب۔ ابھی خطرہ ہے۔''

اس نے کچن میں جاکر شیر گل کی لاش اٹھائی اور اسے کھینچتے ہوئے لاکر سیڑھیوں والے حصے کی طرف دھکیل دیا۔ فوراً ہی اوپر سے برسٹ آکر مردہ شیر گل کو لگا۔ پاشا نے قہقہہ لگایا

''زرک جان میں احمق نہیں ہوں۔''

''مجھے جانے دو۔'' زرک جان کی آواز آئی ''میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''تم بھول رہے ہو۔'' پاشا نے طنزیہ لہجے میں کہا ''دشمنی ہے۔ اس کی وجہ رقم ہے۔''

زرک جان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پاشا فکرمند تھا۔ رقم اوپر تھی اور زرک جان بھی اوپر ہی تھا۔ وہ فرار نہیں ہوسکتا تھا لیکن اس کی وجہ سے یہ رقم دوسروں کی نظروں میں آسکتی تھی۔

ابھی اس معاملے میں پولیس بھی ملوث ہوگی اور اس صورت میں اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا کہ یہ رقم اس کے پاس کہاں سے آئی۔ زرک جان کی زبان بند رکھنا ضروری تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ سیڑھیوں والے راستے پر قابض تھا اور اس صورت میں اسے پاشا پر بالادستی حاصل تھی۔ پاشا کا ذہن تیزی سے اس مسئلے کا حل تلاش کررہا تھا۔ اسی لمحے دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی اور کسی کی کمزور سی آواز آئی۔

''یہ تو میری بیوی کی آواز ہے۔'' کرمانی صاحب چونکے اور اس سے پہلے پاشا انہیں روکتا وہ تیزی سے دروازے تک

جا پہنچے۔ اوپر سے فائر نہیں ہوا۔ پاشا نے جھانک کر دیکھا۔ زرک جان سیڑھیوں پر نہیں تھا۔ وہ محتاط انداز میں اوپر کی طرف بڑھا۔ اس دوران میں کرمانی صاحب نے دروازہ کھول کر اپنی بیگم کو اندر کھینچ لیا تھا۔ شوہر کو زندہ سلامت پا کر اس بار وہ مارے خوشی کے بے ہوش ہو گئی تھیں۔

پاشا ابھی سیڑھیوں پر تھا کہ اسے دوسری منزل سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ اچھل پڑا تھا۔ زرک جان کھڑکی کے راستے فرار ہو رہا تھا۔ پاشا نیچے کی طرف لپکا۔ کرمانی صاحب اپنی بھاری بھرکم بیوی کو اٹھا کر اندر لا رہے تھے۔ جب تک پاشا باہر پہنچتا زرک جان اس کی وین میں گھس کر اسے اسٹارٹ کر کے ریورس کر رہا تھا۔ اس نے فائر کیے۔ گولیاں وین کے پہلو پر لگیں لیکن اسے اثر نہیں ہوا۔ اس بار پاشا نے اس کے ٹائروں کو نشانہ بنایا ایک دھماکے سے وین کے دونوں عقبی ٹائر برسٹ ہو گئے۔ وین لہرائی اور سڑک سے اتر کر ڈھلان پر دوڑنے لگی جس کا اختتام ایک کھائی پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وین دھماکے سے کھائی میں جا گری اور اس سے شعلے بلند ہونے لگے۔ پاشا کا دل مایوسی میں ڈوب گیا۔ اسے ایک فیصد بھی شبہ نہیں تھا کہ زرک جان رقم لے کر فرار نہیں ہوا تھا اور وہ رقم اب جلتی وین میں تھی۔

وہ امید و یاس کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ وین تقریباً دو سو گز کی گہرائی میں جا گری تھی۔ وہ دس منٹ بعد نیچے پہنچا تو شعلے نسبتاً کم ہو گئے تھے۔ اس نے وین کے اندر جھانکا اور ڈرائیونگ کیبن خالی دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔ زرک جان اس میں نہیں تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اسے ذرا بلندی پر کھڑا زرک جان نظر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی جس کا رخ پاشا کی طرف تھا اور دوسرے ہاتھ میں رقم والا بیگ تھا۔ زرک جان کے خون میں نہائے چہرے پر سفاک مسکراہٹ نمودار ہو رہی تھی۔

☆☆☆

بابر کو حیرت تھی گولی چلنے کے باوجود اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی اس نے خود گوراخان کو ٹریگر دباتے دیکھا تھا۔ اس کے بجائے گوراخان نے جھٹکا کھایا وہ گھوما تو رائفل بابر کے چہرے سے ہٹ گئی تھی۔ گوراخان غار کے دہانے کی طرف گھوما۔ وہاں ایک شخص کھڑا تھا اس نے ملیشیا کی وردی پہنی ہوئی تھی۔ یک لخت گوراخان منہ کے بل گرا اور ساکت ہو گیا اس کے پہلو میں متعدد سوراخ نظر آ رہے تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ صوبیدار اکرم شاہ نے اندر آ کر اسے پیر سے ہلایا وہ مر چکا تھا اس نے رائفل اٹھائی تب اس کی سمجھ میں آیا کہ فائر کرنے کے باوجود لڑکا کیوں محفوظ رہا تھا۔ رائفل کا میگزین بالکل خالی تھا۔

ثنا نے بابر کے بازو سے منہ نکالا پھر اسے زندہ دیکھ کر وہ مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی تھی۔ بابر اسے جلدی سے باہر لے آیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثنا لاش دیکھے مگر باہر زیادہ لاشیں تھیں۔ ثنا نے انہیں دیکھ کر چیخ ماری اور منہ چھپا لیا۔ اکرم شاہ نے ان سے خیریت دریافت کی۔ وہ لوگ ہوٹل کی طرف جا رہے تھے لیکن فائر اور چیخوں کی آواز سن کر اس طرف آ گئے اکرم شاہ نے شکر ادا کیا کہ وہ بروقت آ گئے۔ ورنہ یہ قیدی لڑکا اور لڑکی کو نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔ بابر نے اسے بتایا کہ وہ کس طرح ان لوگوں سے پہاڑوں میں چھپتے پھر رہے تھے۔ اچانک ایک طرف سے جمعہ خان برآمد ہو کر بابر سے لپٹ گیا ''تم ٹھیک اے نا۔ ام ان کو بلانے واسطے گیا تھا۔''

''تمہارا شکریہ بھائی۔'' ثنا بولی تو جمعہ خان نے بھائی کہنے پر برا سا منہ بنایا تھا۔

اکرم شاہ سوچ رہا تھا کہ ابھی اصل مرحلہ باقی ہے۔ اسے ہوٹل میں موجود باقی افراد کو ان مجرموں کے قبضے سے چھڑانا ہوگا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو روانگی کا حکم دیا۔ ایک آدمی کو لاشوں کے پاس چھوڑ دیا تاکہ جانور وغیرہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں۔

☆☆☆

سجاد کو لگا کوئی اس کے منہ میں پانی ٹپکا رہا ہے۔ پیاس سے اس کا منہ خشک ہو رہا تھا۔ وہ بے تابی سے پانی پینے لگا۔ اچانک وہ ہوش میں آ گیا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر رخسانہ اور مبین کے چہرے کھل گئے تھے۔ رخسانہ اسے پانی پلا رہی تھی اور صحیح سلامت نظر آ رہی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' سجاد نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' رخسانہ بولی ''دیکھو میرے جانے کا فائدہ ہو گیا۔ تھوڑی دور ایک گڑھے میں پانی جمع ہے۔''

مبین جا کر ایک بار پھر ہاتھ کے پیالے میں پانی لایا اور سجاد کے منہ میں ڈالا۔ وہ اپنے اندر توانائی محسوس کرنے لگا تھا پھر اسے ریشم خان کا خیال آیا۔ اس کے پوچھنے سے پہلے ہی مبین نے اس کے تاثرات سے بھانپ کر اس کے سوال کا جواب دے دیا ''وہ بدبخت مارا گیا۔ اس کا نشانہ خطا گیا تھا۔ رخسانہ بچ گئی۔''

''ہاں تم افسوس کر رہے ہو کہ کیوں بچ گئی۔'' رخسانہ نے شوہر کو گھورا۔

''تم نے جس طرح میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے مجھے

UrduPhoto.com

افسوس ہی کرنا چاہیے تھا۔ پر نہ کر سکا۔ تم کو معلوم ہے کیوں نہیں کر سکا۔"

"مجھے کیا پتا۔" رخسانہ جھینپ گئی تھی۔

سجاد مسکرانے لگا۔ اس کے ذہن میں زرینہ کا خیال آیا۔ اگر یہ سب نہ ہوتا تو وہ اس کی بیوی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ بھی اس طرح پیار و محبت سے رہتے۔ لڑتے بھی تو ان کی لڑائی میں پیار کا رنگ نمایاں ہوتا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا "باقی لوگ کہاں ہیں۔ انہیں جمع کرو۔ ابھی ہمیں ہوٹل والوں کو بھی بچانا ہے۔ کرمانی اور اس کی بیوی کو۔"

"تم آرام کرو۔" رخسانہ نے اسے ڈانٹا "تمہارا زخم خراب بھی ہو سکتا ہے۔"

"اسے اسپتال پہنچانا ضروری ہے۔" مبین نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا "اسے بخار ہو رہا ہے۔"

دونوں میاں بیوی نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ساتھیوں کو آواز بھی دے رہے تھے جو آگے چلے گئے تھے نصف گھنٹے کے اندر وہ سب ان کے پاس تھے۔ سوائے پاشا کے۔ مبین نے گل سے اس کے بارے میں پوچھا۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی مبین کے پوچھنے پر پھٹ پڑی "وہ ہوٹل واپس چلا گیا تھا۔"

مبین پریشان ہو گیا "ہوٹل واپس چلا گیا مگر کیوں؟"

گل سسکیاں لینے لگی "وہ ہماری کچھ رقم تھی۔ پاشا اسے لینے گیا ہے۔"

"پاشا!" مبین چونکا "مگر اس کا نام تو ربانی ہے۔"

"اسے میں پاشا کہتی ہوں۔" گل نے جلدی سے وضاحت کی۔

اب وہ مسز کرمانی کے ساتھ پاشا کے لیے بھی پریشان تھے۔ نہ جانے وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ متعدد اور باقی افراد نے مل کر مارے جانے والوں کا اسلحہ جمع کیا۔ سجاد انہیں اسے چلانے کے بارے میں سمجھا رہا تھا۔ اچانک گل چلائی۔

"اس طرف سے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

وہ سب جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے اوپر پہاڑ سے کوئی دس گیارہ افراد نیچے آ رہے تھے۔ اتنی دور سے واضح نہیں تھا۔ وہ سب ڈر رہے تھے کہ یہ بھی وہی نہ ہوں لیکن وہ اس طرف سے کیسے آ سکتے تھے۔ اس طرف ان کے صرف دو ساتھی گئے تھے۔ تین ان کے پیچھے آئے تھے جو مارے گئے تھے اور دو ہوٹل میں تھے۔ جیسے ہی وہ ذرا نزدیک آئے آنکھ انہیں دیکھنے کے قابل ہوئی۔ سب سے پہلے ثمینہ چونکی تھی۔ اس نے مقصود سے کہا "یہ تو اپنی ثنا ہے۔ ہاں وہی ہے۔"

وہ جھاڑیوں سے نکل کر اس طرف بھاگی۔ مقصود اسے روکنے کے لیے لپکا لیکن پھر بیٹی کو پہچان کر وہ سب بھول گیا تھا۔ ثنا بھی انہیں دیکھ کر بھاگی پھر وہاں موجود افراد کی آنکھیں ان کا ملاپ دیکھ کر نم ہو گئیں۔ ثمینہ مقصود بے تابی سے اسے پیار کر رہے تھے۔ ثنا مارے خوشی کے روئے جا رہی تھی پھر عادل بابر کی طرف بھاگا جسے جمعہ خان نے سہارا دے رکھا تھا۔ دونوں دوست گرم جوشی سے گلے لگ گئے۔ ثمینہ بے تابی سے ثنا کو ٹٹول رہی تھی "تم ٹھیک ہو نا؟"

"جی امی۔" اس نے یقین دلایا "بابر نے میرا بہت خیال رکھا تھا۔"

"بابر کون..... وہ لڑکا۔" مقصود چونکا۔

"جی ابو۔" ثنا بولی۔ ثمینہ اس کی بدلتی رنگت کو غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کا مطلب بھی سمجھ رہی تھی اس نے بابر کو دیکھا۔ لڑکا اسے بھی اچھا لگا۔ ثنا ابھی سولہ سال کی تھی لیکن اچھا رشتہ مل جائے تو کیا حرج ہے۔ وہ فوراً اس معاملے کو ایک ماں کی نظر سے دیکھنے لگی تھی۔ مقصود نے جا کر گرم جوشی سے بابر کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اس نے انکساری سے کہا۔

"یہ تو میرا فرض تھا۔"

"فرض کے بچے۔" عادل نے اس کے کان میں سرگوشی کی "اس لڑکی کے سامنے تو سب بھول گیا ہو گا۔"

"چپ!" بابر نے بوکھلا کر کہا۔ مقصود پاس ہی کھڑا تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں آگے جانے کے بجائے اس طرف جانا چاہیے۔" مبین اکرم شاہ سے کہہ رہا تھا "سجاد شدید زخمی ہے۔"

"سجاد کون ہے؟" اکرم شاہ چونکا۔ اس نام کا ایک قیدی بھی تھا۔

"یہ بھی زرک جان کے ساتھ ہی آیا تھا لیکن فرار کے منصوبے میں شامل نہیں تھا یہ اور اس کے چار ساتھی ہمارے ساتھ ہیں۔"

"ان میں قیدی بھی ہیں۔" اکرم شاہ چونکا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو قیدیوں کو الگ کر کے انہیں حراست میں لینے کا حکم دیا۔

مبین پریشان ہو گیا "یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔"

"یہ حکومت کے قیدی ہیں۔" اکرم شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ سجاد کے لیے کچھ کریں۔ وہ زخمی ہے۔"

اکرم شاہ نے سر ہلایا "میں نے ایمرجنسی کے لیے

UrduPoint.com

وائرلیس پر پیغام دیا ہے۔ وہ سڑک کی طرف سے ہی آسکے گی۔"

"تب ہمیں سڑک کی طرف جانا چاہیے۔" مبین بولا۔

"اور ہم ہوٹل کی طرف جائیں گے۔" اکرم شاہ بولا "لیکن کوئی بھی کارروائی پولیس ہی کرے گی۔"

مبین نے مقصود، بابر اور عادل سے کہا کہ وہ سجاد کو لے کر اوپر کی طرف چلیں۔ وہ اس علاقے سے واقف تھا اس لیے بہتر رہنمائی کر سکتا تھا۔ وہ انہیں اوپر کی طرف آسان راستے سے لے جانے لگا۔ اکرم شاہ باقی چار قیدیوں کو لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

پاشا کے سامنے موت کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی لیکن اسے معلوم تھا اس نے اسے جنبش دینے کی کوشش بھی کی تو زرک جان اسے چھلنی کر دے گا۔ وہ کھلی جگہ پر تھا اور بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ زرک جان آہستہ سے نیچے کی طرف آنے لگا۔ پاشا حیران تھا اس نے اب تک گولی کیوں نہیں چلائی تھی۔ زرک جان نے پاس آتے ہوئے اسے کہا۔

"اپنی رائفل میری طرف پھینک دو لیکن کوئی غلط حرکت مت کرنا۔"

"میرا کسی غلط حرکت کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" پاشا نے کہا اور یک دم رائفل زرک جان کی طرف پھینکنے کے بجائے کھائی میں اچھال دی۔ زرک جان کا چہرہ مسخ ہو گیا تھا۔ اس نے اسے گالی دی اور رقم کا تھیلا ایک طرف پھینکتے ہوئے اس پر رائفل سے حملہ کیا۔ اس نے رائفل کو ڈنڈے کی طرح استعمال کیا تھا۔ اگر پاشا بروقت سر نہ جھکاتا تو نال اس کے سر پر آ کر لگتی پھر بھی وار اس کے شانے پر لگا تھا۔ دور کی لہر اس کے بازو کو بیکار کر گئی تھی۔ اس نے پوزیشن بدلی اور زرک جان کا دوسرا وار خالی کر دیا۔ وہ بالکل پاگل ہو رہا تھا۔

جب اس نے پاشا پر فائر کرنا چاہا تو اس پر انکشاف ہوا کہ اس کی رائفل خالی تھی۔ اس کے پاس فاضل میگزین بھی نہیں تھے اور یہ شخص اس کی جان کو آ گیا تھا۔ جب تیسری بار زرک جان نے رائفل اس کے سر پر مارنا چاہی تو اس نے پیچھے بیٹھتے ہوئے لات گھمائی۔ زرک جان لڑکھڑا کر گر پڑا۔ کھائی کے کنارے ہونے کی وجہ سے وہ ذرا سا آگے گیا لیکن پھر سنبھل گیا۔ پاشا نے اسے سنبھلنے کا موقع دیا اور جیسے ہی وہ نزدیک آیا اس نے اچھل کر دونوں پیر اس کے سینے پر مارے زرک جان کی سمجھ بوجھ کی وجہ سے انھا دم کی طاقت دوگنی ہو گئی تھی۔ زرک جان پیچھے جا گرا اگر وہ ایک پتھر نہ پکڑ لیتا تو کھائی میں ہی جا گرتا۔

زرک جان گالیاں دیتا ایک بار پھر اس پر جھپٹا۔ پاشا نے گھومتے ہوئے اس کے منہ پر لات ماری اس نے پاشا کی لات پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی پاشا کی دوسری لات اس کی گردن پر لگی۔ وہ اچھل کر گرا اور اس بار وہ کھائی میں لٹک گیا۔ اس کے ہاتھ کنارے کو تھامے رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور پاؤں چالیس فٹ کے خلا میں لہرا رہے تھے اور دہشت سے اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا "مجھے بچاؤ....."

پاشا اس سے ذرا دور کھڑا ہو گیا "تاکہ تم مجھے قتل کرنے کی پھر کوشش کرو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے ایک موقع دو۔"

"ہاں میں ایک موقع دوں گا۔ اگر تم بغیر کسی مدد کے اوپر آ گئے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا جانے دوں گا۔"

"میں نہیں..... آ سکتا....." زرک جان چلایا۔ اس کے ہاتھ پھسل رہے تھے۔

"تو پھر مر جاؤ۔" پاشا نے سفاکی سے کہا۔ زرک جان اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہا تھا لیکن اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اچانک کنارہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اس کے حلق سے چیخ نکلی جو نیچے چٹان پر اس کے گرنے کے ساتھ ہی ختم ہوئی تھی۔ پاشا نے طویل سانس لیتے ہوئے رقم کا بیگ اٹھا کر شانے پر لٹکایا لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے بیگ وہیں چھپانے کا فیصلہ کیا اوپر پولیس آنے والی تھی اور اس کے لیے اس رقم کی جواب دہی ناممکن تھی نوٹوں کی سیل بند گڈیاں اس کے جرم کا منہ بولتا ثبوت بن جاتیں۔ بیگ اس نے ایک مختصر سی کھوہ میں چھپا دیا۔ اوپر سے پتھر رکھ کر اسے بند کر دیا اور خود اوپر روانہ ہو گیا۔

اکرم شاہ کو ہوٹل کوہسار میں صرف دو میاں بیوی زندہ ملے تھے۔ مسٹر اور مسز کرمانی بے حد خوش تھے۔ انہوں نے اتنے عرصے بعد اپنے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت پائی تھی۔ دیر سے سہی لیکن انہیں محبت مل گئی تھی۔ لاش شیر گل کی تھی۔ ان میں زرک جان نہیں تھا اور نہ ہی پاشا تھا۔ جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ ہوٹل کی طرف گیا ہے۔ کرمانی صاحب سے اسے بتایا۔

"پاشا اس حرام زادے کے تعاقب میں گیا ہے اس نے گاڑی کے ذریعے فرار کی کوشش کی تھی اس بے چارے کی گاڑی میں اور اسے کھائی میں گرا دیا۔ وہ بے چارہ اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہے اور تم لوگ..... تم نے کیا کیا۔" وہ ان

UrduPhoto.com

پر الٹ گئے اور اکرم شاہ کو بے نقط سنا دی ''غضب خدا کا سات دہشت گرد گزشتہ رات سے یہاں ہیں اور تم میں سے کسی نے آ کر جھانکا تک نہیں اور اب جب سارا کام ختم ہو گیا ہے تو فائٹ آ گئے۔''

بڑی مشکل سے اکرم شاہ یہ معلوم کر سکا کہ زرک جان گاڑی سمیت کہاں گرا تھا۔ اس نے اپنے دو آدمیوں کو اس کے احوال کے لیے روانہ کیا اور خود اکرم شاہ کو ریڈیو پر رپورٹ دینے لگا اس نے ایمبولینس کے بارے میں پوچھا۔ اکرم شاہ نے بتایا کہ ایمبولینس پہنچنے والی تھی۔ چھ قیدیوں کی ہلاکت کا سن کر اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے ساتویں کے بارے میں دریافت کیا۔ اکرم شاہ نے اسے بتایا۔ ''زرک جان گاڑی سمیت کھائی میں گر گیا ہے۔ میں نے اسے دیکھنے کے لیے آدمی بھیجے ہیں۔''

''شاید وہ بھی زندہ نہ ملے۔'' اکرم شاہ نے ٹھنڈی سانس لی ''اور باقی پانچ قیدی؟''

''وہ زرک جان کے ساتھ نہیں تھے بلکہ ان کے پاس سے فرار ہوئے تھے۔ ہوٹل والوں کے ساتھ۔ ان میں سے سجاد نامی قیدی نے لوگوں کو بچانے کے لیے بہت کوشش کی ہے۔ زرک جان کے تین ساتھی اس کے ہاتھ مارے گئے ہیں۔ وہ خود بھی خاصا زخمی ہے لیکن میرے خیال میں بچ جائے گا۔ لال خان نامی شخص ریچھ کے ہاتھوں مارا گیا اور گورا خان میرے فائر سے ہلاک ہوا۔ وہ ایک لڑکے کو گولی مارنے جا رہا تھا۔ اسے بچانے کے لیے فائر کرنا پڑا۔ ادھر ہوٹل میں شیر گل ربانی شخص کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ زرک جان اس ربانی کی دین میں فرار ہوتے ہوئے کھائی میں جا گرا۔ میں اس شخص ربانی کو بھی تلاش کر رہا ہوں۔''

''پولیس پہنچنے والی ہے تم سارا کیس ان کے ہینڈ اوور کر کے مجھے رپورٹ کرو۔''

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"یس سر۔" اکرم شاہ نے جواب دیا اور ریڈیو بند کر دیا۔
اس لمحے ایک نوجوان اندر آیا اس کے عقب میں اکرم شاہ کے آدمی تھے۔
"مجھے ربانی کہتے ہیں۔" اس نے اکرم شاہ سے ہاتھ ملایا "زرک جان میری گاڑی لے کر فرار ہو رہا تھا کہ گاڑی سمت کھائی میں گر گیا۔ میرے خیال میں وہ بچا نہیں ہوگا میں نیچے تک گیا تھا۔ مگر مزید نیچے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ میرے پاس ان میں سے ایک آدمی کی رائفل تھی وہ بھی نیچے گر گئی ہے۔"
اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد اکرم شاہ نے اپنے آدمی بھیجے کہ وہ باقی افراد کو لے آئیں۔ آدھے گھنٹے میں پولیس اور ہوٹل والے آ چکے تھے۔ سوائے سجاد کے اسے مقامی اسپتال بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے چار ساتھیوں کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ لیکن ہوٹل والوں کے بیانات کے بعد ان سے نرم سلوک کیا جا رہا تھا۔ شدید تھکن کے باوجود رخسانہ باورچی خانے میں تھی اور اس نے جمعہ خان کو بھی زبردستی کام پر لگا لیا تھا۔ سارے ہی مسافر شدید طور پر بھوکے تھے۔ خاص طور سے عادل اور بابر کی حالت خراب تھی۔ بیانات لینے کے بعد پولیس نے انہیں اپنے کمروں میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ تقریباً سب کی حالت بری تھی۔ وہ نہانے دھونے اور کپڑے بدلنے کے لیے بے تاب تھے۔
اکرم شاہ نے کیس پولیس کے حوالے کیا اور خود اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد پولیس نے پہلے ساری لاشیں جمع کر کے اسپتال روانہ کیں۔ پاشا کی وین کا حشر نشر ہو گیا تھا اور اسے کھائی سے نکالنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ پولیس انسپکٹر نے اسے بتایا کہ وہ حکومت سے اپنی وین کا معاوضہ وصول کر سکتا ہے لیکن پاشا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وین کے کاغذات کی جانچ پڑتال میں سب سے پہلے یہ بات سامنے آتی کہ اس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی۔ ہر واردات کے بعد پاشا گاڑی کی نمبر پلیٹ بدل دیا کرتا تھا۔

☆☆☆

بابر اور عادل گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ دوپہر میں رخسانہ نے ان کے لیے پُرتکلف لنچ بنایا تھا۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا پھر بجایا اور جب دھڑ دھڑایا تو بابر نے بادلِ ناخواستہ آنکھ کھولی۔ حالانکہ اس معاملے میں عادل نیند کا کچا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور سامنے کھڑی ثنا کو دیکھ کر اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا کرتہ اور پاجامہ پہنا تھا اور دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ بابر کی نظریں محسوس کر کے اس کے رخسار دہکنے لگے تھے۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"
بابر نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ اسے اطمینان تھا کہ عادل سو رہا ہے۔ اس نے ثنا کو بازوؤں میں لیا تو وہ کسمسائی لیکن احتجاج نہیں کیا "بہت ہی پیاری لگ رہی ہو۔" بابر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔
ثنا شرمائی پھر آہستہ سے کہا "چھوڑو، تمہارا دوست جاگ جائے گا۔"
"دوست سو رہا ہے۔" کمبل سے عادل کی آواز آئی تو بابر نے بوکھلا کر ثنا کو چھوڑ دیا اور ثنا وہاں سے بھاگ نکلی۔ بابر نے بھنا کر عادل پر چھلانگ لگا دی "ارے ..... مرا..... بچاؤ..... یہ پاگل ہو گیا۔" عادل نے شور مچایا۔
"کمینے اگر جاگ ہی رہا تھا تو ذرا دیر اور سوتا رہتا۔" بابر نے بھنا کر کہا۔
"تیری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے۔" عادل نے افسوس سے سر ہلایا "میں آنٹی کو بتاؤں گا۔"
مقصود کمرے میں بیوی سے پوچھ رہا تھا "آج ثنا بڑی بڑی نہیں لگ رہی ہے۔"
"وہ بڑی ہو گئی ہے۔" ثمینہ ہنسی "یہ بتاؤ کہ بابر کیسا لڑکا ہے۔"
"کیسا لڑکا ہے۔" مقصود نے سوچا "بس ویسا ہی جیسا کہ آج کل کے لڑکے ہوتے ہیں۔"
"نہیں۔ بہت ذمے دار اور اچھا لڑکا ہے۔ اس نے ہماری ثنا کی جان بچائی اس کی حفاظت کرتا رہا۔ آج کل کے لڑکے ایسے کہاں ہوتے ہیں۔"
"اچھا بابا تم کہتی ہو تو ہوگا۔" مقصود نے جان چھڑائی۔ وہ کرمانی صاحب سے شطرنج کی بازی لگانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
"پھر اپنی ثنا کے لیے کیسا رہے گا۔"
"ثنا کے لیے۔ وہ تو ابھی سولہ سال کی ہے۔"
"عمر گزرتے زیادہ دیر نہیں لگتی۔" ثمینہ نے اصرار کیا۔
"بھئی جیسے تمہاری مرضی۔ میں کرمانی صاحب کی طرف جا رہا ہوں۔"

☆☆☆

گل کا غصے سے برا حال تھا۔ پاشا نے اسے بتایا تھا کہ رقم کا تھیلا زرک جان لے گیا تھا اور وہ بھی گاڑی میں جل گیا تھا۔ گل اسے گالیاں دیتی رہی۔ پاشا اس کے غصے سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر اس نے کہا "چلو جان غصہ تھوک دو۔ رقم ہم اور کما لیں گے۔ بینک بہت ہیں۔"

UrduPhoto.com

گل نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا ''میں تھک گئی ہوں پاشا..... اس زندگی سے۔''

''پھر ہم کیا کریں۔'' پاشا نے نرمی سے اس کے بال سہلائے۔

''مجھے نہیں چاہیے دولت۔ تم کوئی نوکری کرلو۔''

''مجھے نوکری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' پاشا ہنسا ''میرے پاس وہ ساری رقم موجود ہے۔''

''کیا..... تم بے وقوف بنا رہے تھے۔'' گل اس کے سینے پر مکے مارنے لگی۔

☆☆☆

رخسانہ اور مبین اپنے کمرے میں تھے۔ مبین کتاب پڑھ رہا تھا۔ رخسانہ نے اس سے کہا ''اچھا آغاز ہوا ہوٹل کا۔''

''ہاں مجرم بھی چلے آئے تھے۔'' مبین ہنسا۔

رخسانہ کانپ گئی ''میں یہ دن کبھی نہیں بھولوں گی۔''

مبین نے کتاب رکھ کر اس کے گرد بازو حمائل کر دیا ''ہاں لیکن ان دنوں نے ہمیں بدل دیا ہے۔''

''ہاں۔'' رخسانہ نے اس کے بازو پر سر رکھ لیا۔ پھر وہ ہنسی ''پتا ہے ہمارے ہوٹل میں ایک لو اسٹوری پروان چڑھ رہی ہے۔ وہ لڑکا ہے نا بابر۔ وہ ثنا میں دلچسپی سے رہا ہے۔''

''لڑکی ہے بھی تو پیاری۔'' مبین نے تعریف کی ''دونوں کی جوڑی سجے گی۔ ہماری طرح.....''

''میں اب تک اچھی بیوی نہیں تھی۔'' رخسانہ نے افسردگی سے کہا۔

''تم ہمیشہ سے اچھی بیوی رہی ہو تب ہی تو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

اگلی صبح بابر اور عادل چیک آؤٹ کروانے آئے تو رخسانہ نے انہیں آگاہ کیا ''ہوٹل انتظامیہ آپ کو ایک ہفتے مزید قیام کی مفت پیش کش کرتی ہے۔''

بابر خوشی سے اچھل پڑا تھا کیونکہ کل ہی ثنا نے اسے بتایا کہ وہ لوگ ابھی ایک ہفتہ اور ٹھہریں گے۔ ویسے بھی انہیں ہوٹل کی جگہ بہت پسند آئی تھی۔ ایسے خونی واقعے کے باوجود ان کا یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ رخسانہ کی پیش کش سن کر دونوں ہی خوشی سے کھل گئے تھے۔ کرمانی صاحب نے بھی مزید رکنے کا ارادہ کیا تھا اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ واپس جا کر اپنے اثر رسوخ استعمال کر کے ان کے ہوٹل میں جلد از جلد فون اور گیس کی سہولت بھی مہیا کروا دیں گے۔ ان کی مقصود سے خوب بنتی تھی کہ دونوں شطرنج کے رسیا تھے۔ پاشا اور مبین کی اچھی دوستی ہو گئی تھی باتوں باتوں میں مبین نے ذکر کیا کہ اگر کوئی اس کے ہوٹل میں سرمایہ لگائے تو وہ زیادہ سہولتیں اور کچھ تفریحی سہولتیں مہیا کر سکتا تھا۔ پاشا سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے پاس رقم تھی اور اسے رہنے کے لیے ایک ٹھکانا بھی درکار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چند سال میں ہوٹل چل نکلے گا یہ وادی بھی سیاحت کا مرکز بن جائے گی۔ اس نے مبین کو ہوٹل میں سرمایہ لگانے کی پیش کر دی۔

☆☆☆

سجاد کا اسپتال میں آپریشن ہوا تھا اس کے شانے میں پھنسی گولی نکال دی گئی تھی۔ ایک ہفتے بعد جب اسے اسپتال سے واپس جیل بھیجا جا رہا تھا تو مبین اور پاشا اس سے ملنے آئے تھے۔ مقصود اور کرمانی صاحب نے اسے صحت یابی کے پیغامات بھیجے تھے اور انہوں نے بتایا کہ وہ سب مل کر اس کے لیے وکیل کر رہے تھے جو عدالت میں اس کے کیس کو ازسرِنو اٹھائے گا۔ امید ہے کہ ایک درجن افراد کی جان بچانے اور خطرناک مجرموں کو ہلاک کرنے کے صلے میں عدالت اسے معافی دے دے گی اور حکومت بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔

تین مہینے بعد اس کے کیس کو ازسرِنو عدالت میں پیش کیا گیا اور اس کے لیے معافی اور درخواست کی اپیل کی گئی تھی۔ عدالت نے ایک مہینے میں کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے سجاد کے کارنامے کے صلے میں اسے رہا کر دیا۔ جس روز وہ گاؤں جا رہا تھا اسے ملنے کے لیے مبین اور پاشا آئے تھے۔ مبین نے اسے پیش کش کی تھی کہ وہ چاہے تو ان کے ہوٹل میں ملازمت کر سکتا ہے۔ ان کا کاروبار اچھا چلنے لگا تھا۔ اس واقعے نے ان کے ہوٹل کو زبردست شہرت بخشی تھی اور دور دور سے لوگ ہوٹل میں قیام کرنے کے لیے آ رہے تھے۔ سجاد نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ اگر زرینہ کو حاصل کرنے میں کامیاب رہا تو ان کے پاس ضرور آئے گا۔

''ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''اور کوششیں بھی۔'' پاشا نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں نوٹوں کی ایک گڈی سجاد کی جیب میں ڈال دی تھی۔ اسے معلوم تھا یہ پچاس ہزار روپے سجاد کو اس کے مقصد کے حصول میں مدد دیں گے۔

عین اسی روز مقصود اور ثمینہ کے گھر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ بابر کے گھر والے باقاعدہ منگنی کرنے آ رہے تھے۔ ان کی معصوم محبت جو اس خوب صورت وادی میں پروان چڑھی تھی اسے اپنی منزل مل رہی تھی۔